اشاعت نمبر ۲

تحقیقی، علمی، اصلاحی

رسالہ

دفاع اسلاف

ہند

زیر سرپرستی

مصلح ملت حضرت مولانا عبید الرحمٰن اطہر صاحب دامت برکاتھم

فہرست مضامین

- **سلسلۃ دفاع فضائل اعمال ۲** (حضرت سید احمد رفاعیؒ کے واقعہ پر غیر مقلدین کے اعتراضات کے جوابات)
- حافظ قرآن کریم کی فضیلت کے بارے میں ایک حدیث پر اعتراض اور اس کا جواب۔

سلسلة دفاع فضائل اعمال ۲

(حضرت سید احمد رفاعیؒ کے واقعہ پر غیر مقلدین کے اعتراضات کے جوابات)

-مفتی آصف بن اسماعیل المدنی

-ڈاکٹر ابو محمد شہاب علوی

غیر مقلدین کے اکثر علماء وعوام فضائل اعمال پر اعتراضات کے سلسلہ میں ایک اعتراض یہ بھی کرتے ہیں کہ: حضرت **الامام، القدوۃ، الزاھد، العابد، شیخ العارفین** ابو العباس سید کبیر احمد رفاعیؒ **(م ۵۷۸ھ)** نے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا مبارک ہاتھ کیسے چوما؟

نوٹ: امام سید احمد رفاعیؒ **(م ۵۷۸ھ)** کو یہ القاب، امام ذہبیؒ **(م ۷۴۸ھ)** نے میں دیئے ہیں۔ **(سیر اعلام النبلاء: جلد ۲۱: صفحہ ۷۷)**

اسکین: سیر اعلام النبلاء

سِيَرُ أَعْلَامِ النُّبَلَاءِ

تصنيف

الإمام شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي

المتوفى

٧٤٨هـ - ١٣٧٤م

الجُزْءُ الحَادِي وَالعِشْرُون

حقق هذا الجزء

الدكتور بشار عواد معروف و الدكتور محيي هلال السرحان

طبع بمساعدة اللجنة الوطنية

للاحتفال بمطلع القرن الخامس عشر الهجري

في الجمهورية العراقية

مؤسسة الرسالة

خروجِهِ ، وقَالَ : هذا غُسْلُ الإسلامِ ، فإنَّني مقتولٌ بلا شكٍّ . ثم ماتَ بعد الظهرِ ، ومات الحاجبُ باللَّيلِ . وعُمِلَ عزاءُ الوزيرِ ، فَقَلَّ من حَضَرَ كنحوِ عزاءِ عامّيٍّ ؛ إرضاءً لصاحب المخزن(١) ، ثم عمل نيابة الوزارة . وقيلَ : إنَّ الوزيرَ بقيَ يقولُ : الله ! الله ! كثيراً ، وقال : ادفنوني عند أبي .

وفيها - أي سنة ثلاث وسبعين - تُوفِّي أبو جعفر أحمدُ بنُ أحمدَ بنِ القاصِّ المُقرىءُ العابدُ ، وأبو العَبَّاسِ أحمدُ بنُ محمدِ بن بكرُوسٍ الحنبليُّ الزاهدُ، وَصَدَقَةُ بنُ الحسينِ ابنِ الحدَّادِ الناسخُ الفرضيُّ - مطعونٌ فيه - ،وأبو بكرٍ عتيقُ بنُ عبد العزيزِ بنِ صِيْلا الخَبَّازُ ، وأبو الحسنِ عليُّ بنُ الحسينِ اللَّواتيُّ الفاسيُّ الفقيهُ، والمسنِدُ محمدُ بنُ بُنَيْمانَ الهمذانيُّ، وأبو الثناءِ محمدُ بنُ محمدِ بنِ هبةِ الله ابن الزيتونيِّ ، وهارونُ بنُ العبَّاسِ المأمونيُّ الأديبُ المُؤرِّخُ ، وأبو محمدٍ لاحقُ بنُ عليِّ بن كارِهٍ ، وأبو شاكرٍ يحيى بنُ يوسفَ السَّقْلاطونيُّ ، وأبو الغنائِمِ هبةُ اللّهِ بنُ محفوظِ بنِ صَصْرَى الدمشقيُّ ، وآخرون .

٢٨ - الرِّفاعِيُّ *

الإمامُ ، القدوةُ ، العابدُ ، الزاهدُ ، شيخُ العارفين ، أبو العبَّاسِ

(١) بسبب العداوة التي كانت بينه وبين صاحب المخزن أبي بكر منصور بن نصر ابن العطار .

* ترجم له ابن الأثير في الكامل: ١١/ ٢٠٠، وسبط ابن الجوزي في المرآة: ٨/ ٣٧٠، وابن خلكان في الوفيات : ١/ ١٧١ ، والذهبي في العبر : ٤/ ٢٣٣ ، وتاريخ الإسلام ، الورقة ٧٢ (أحمد الثالث ٢٩١٧/ ١٤) ، والصفدي في الوافي : ٧/ ٢١٩ ، والسبكي في الطبقات الكبرى : ٦/ ٢٣ ، وابن كثير في البداية : ١٢/ ٣١٢ ، والعيني في عقد الجمان : ١٦/ الورقة ٦٥١ ، وابن العماد في الشذرات : ٤/ ٢٥٩ . وفي خزانة كتب الدكتور بشار عواد معروف نسخة -

٧٧

غیر مقلدین کے اعتراضات:

(۱) غیر مقلدین کے فضیلۃ الشیخ معراج ربانی صاحب اس پر تبصرہ کرتے ہیں کہ "انہوں نے (کبیر احمد رفاعی نے قبر رسول پر ۲ شعر پڑھے، اور وہ ۲ شعر (یہ) تھے کہ اے اللہ کے رسول، میں جب آپ سے دور تھا، میری روح آتی تھی اور آپ کے آستانے کا بوسہ لیتی تھی آج میں خود آپ کے دربار میں حاضر ہوا ہوں، اس لئے آپ اپنا ہاتھ مبارک نکالئے اور اس کو چوموں۔ چنانچہ حضرت زکریا صاحب لکھتے ہیں کہ **وہ ہاتھ قبر توڑ کر باہر نکلا** اور حضرت سید رفاعی نے چوما، جس کو ۹۰۰۰۰ لوگوں نے دیکھا ۵۵۵ھ کی بات ہے۔ یہ تو آج خادم الحرمین والشرفین نے اتنی وسعت کروائی ہے۔ ۵۵۵ھ میں کتنی چھوٹی رہی ہوگی۔ ۹۰۰۰۰ میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت مسجد نبوی کے اندرون حصہ میں نہیں آسکتے، چہ جائے کہ اس وقت۔ اور پھر آگے انتہائی بے ادبی کے ساتھ کہتے ہیں کہ **'وہ ہاتھ قبر سے نکلا تھا یا کوئی لگا تھا کہ کتنے ہزار اس کو دیکھ لے۔ کیا تھا وہ ہاتھ تھا، یا لگا تھا۔ کیا تھا وہ۔ پوچھے زکریا صاحب سے کوئی۔** اور زکریا صاحب لکھتے ہیں کہ اسی (۹۰۰۰۰) میں شیخ عبد القادر جیلانی بھی تھی۔ یہ پیچ لگانا ضروری تھا تا کے لوگوں کو یقین آجائے کہ پیرانے پیر بھی موجود تھے۔ ہاں ہاں ایسی دھوکہ دیا جاتا ہے۔"[1]

(۲) ایک نام نہاد اہل حدیث مبلغ فصیح سلفی کہتا ہیں کہ

اب یہ عقیدہ کو میں آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں، ۵۵۵ھ سعید احمد رفاعی، حج سے فارغ ہو کے نبی کی مسجد کی زیارت کے لئے گئے، نبی کی قبر کے باہر کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ دور سے میری روح کو آپ کے پاس بھیجا کرتا تھا تا کہ وہ آستانہ مبارک چومتی تھی، آج جسم کی حاضری کی باری ہے، آپ کا دستِ مبارک دیجئے تاکہ میرے ہونٹ اس کو چومیں، تو قبر محمد ﷺ سے محمد ﷺ کا ہاتھ باہر نکلا، اور سعید احمد رفاعی ۵۵۵ھ میں، انہوں نے نبی ﷺ کا ہاتھ چوما، اور اس وقت جب وہ چوم رہے تھے، ۹۰ ہزار موجود لوگ وہ منظر دیکھے، جن میں عبد القادر جیلانیؒ بھی تھے، یہ بات آئی، سبحان اللہ۔

نبی کو زندہ مانتے ہوں گے قبر میں، اسلئے تو وہ ہاتھ نکلانا، **جیسا اپنے بڑوں سے تعلیمات حاصل کریں گے، اسی کفریہ اور شرکیہ عقائد، قرآن وحدیث کے خلاف والی تبلیغ کریں گے،** سبحان اللہ۔

---

[1] دیکھئے ویڈیو : https://www.youtube.com/watch?v=wD00y2-UHOM

مسلمانوں! یہ ہے عقیدہ، میں کہوں گا کیا میرے اندر اختیار ہے کہ میں اپنی روح کو اپنے جسم سے نکالوں اور مدینہ میرے نبی کے آستانہ مبارک چومنے بھیجوں، بھیج سکتا ہوں؟ ہے قدرت میرے پاس؟ سعید احمد رفاعی کے پاس کیسے یہ قدرت آئی کہ اپنی روح نکال کر بھیج رہے تھے، اور وہ آستانہ مبارک چوم رہی بھی تھی،

پہلا عقیدہ یہیں پر سمجھ میں آرہا کہ **کتنا کفریہ عقیدہ یہ فضائل اعمال لکھنے والوں کا ہے۔**[2]

(۳) غیر مقلدین کے ڈاکٹر پروفیسر طالب الرحمٰن لکھتے ہیں کہ

مولانا زکریا صاحب کی زبانی ہی ایک اور واقعہ سن لیجئے، جو شرک سے لبریز ہے، سید احمد رفاعی مشہور بزرگ اکابر صوفیاء میں سے ہیں، ان کا قصہ مشہور ہے کہ جب ۵۵۵ھ میں وہ زیارت کے لئے حاضر ہوئے، اور قبر اطہر کے قریب کھڑے ہو کر دو شعر پڑھے تو دستِ مبارک باہر نکلا اور انہوں نے اس کو چوما، اس ناکارہ کا رسالہ فضائل حج کی حکایات زیارتِ مدینہ کے سلسلے میں نمبر ۱۳ پر یہ قصہ مفصل علامہ سیوطی کی کتاب الحاوی سے گزر چکا ہے، اور بھی متعدد قصے اس میں روضہ اقدس سے سلام کا جواب ملنے کے ذکر کئے گئے ہیں۔ **(ص ۳۰۸، تبلیغی نصاب، فضائل درود ۱۲۵)**

چلئے اب آپ کو میں فضائل حج کے اسی میدان میں لئے چلتا ہوں جہاں آپ قرآن وحدیث سے متصادم بے شمار واقعات ملاحظہ فرمائیں گے۔ لیجئے سید احمد رفاعی کے وہ دو شعر جو انہوں نے قبر نبوی پر پڑھے، اور اس کی تفصیل:

فی حالۃ البعد روحی کنت ارسلھا ــــ تقبل الارض وھی نائبتی

وھذہ دولۃ الاشباہ قد حضرت ــــ فامدد یمینک کی تحظی بھا شفتی

ترجمہ: دوری کی حالت میں اپنی روح کو خدمتِ اقدس میں بھیجا کرتا تھا، وہ میری نائب بن کر آستانہ کو چومتی تھی، اب جسموں کی حاضری کی باری آئی ہے، اپنا دستِ مبارک عطا کیجئے تاکہ میرے ہونٹ اس کو چومیں۔

اس پر قبر مبارک سے دستِ مبارک باہر نکلا اور انہوں نے اس کو چوما۔ (الحاوی للسیوطی) کہا جاتا ہے کہ اس وقت نوے ہزار کا مجمع مسجد نبوی میں تھا، جنہوں نے اس واقعے کو دیکھا، اور حضور کے دستِ مبارک کی زیارت کی، جن میں حضرت محبوبِ سبحانی قطبِ ربانی شیخ عبد القادر جیلانی نور اللہ مرقدہ کا نام نامی بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ **(البنیاد المشید، فضائل صدقات، ص ۹۴۱ عکسی)**

---

[2] دیکھئے ویڈیو: https://youtu.be/sRST22BRLY0

روح کا آستانہ مبارک کو چومنا کیا محمدی شریعت کا مسئلہ ہے، کیا صحابہ سے ثابت ہے، کیا اس واقعے میں یہ ثابت نہیں کیا گیا کہ قبر والے زندہ ہیں، مردہ نہیں ہیں، اور رب کے اس حکم کو ٹھکرا دیا گیا اموات غیر احیاء و مایشعرون ایان یبعثون (الآیۃ) یہ مردہ ہیں زندہ نہیں، اور ان کو تو اپنے اٹھائے جانے کا شعور نہیں۔ یہ ہاتھ جو چومنے کے لئے نکلا، حضرت فاطمہؓ کے سر پر شفقت رکھنے کیلئے کیوں نہ باہر آیا، اور جب لوگوں نے حضرت عثمانؓ کو محصور کر کے قتل کرنا چاہا تو کیوں نہ لوگوں کو منع کرنے کیلئے قبر سے باہر آیا، اگر اسی کا نام اسلام ہے تو اپنے اسلام کو سنبھالو کہ جتنی بے عقلی اس میں ہے کائنات کے کسی دین میں نہ ہو گی۔ **(تبلیغی جماعت کے عقائد: ص ۱۶۰-۱۶۱)**

(۴) اسی طرح اہل حدیث مولانا عطاء اللہ ڈروی نے اس واقعے کو جھوٹا اور تضاد بیانیوں کے ضمرے میں شمار کیا ہے۔ **(تبلیغی جماعت، عقائد، افکار، نظریات اور مقاصد کے آئینہ میں: ص ۱۴۶)**

(۵) غیر مقلد محمد منیر صاحب لکھتے ہیں کہ

تبلیغی بھائیو! آپ دیکھ رہے ہیں کہ "شیخ الحدیث صاحب" بار بار ایک ہی راگ الاپ رہے ہیں اور بار بار ایک ہی بات ثابت کر رہے ہیں کہ نبی ﷺ قبر کے اندر زندہ ہیں اور سنتے ہیں، اس قسم کے دو چار نہیں بلکہ ہزاروں قصے بیان کرنے والے بیان کرتے رہیں، پھر بھی اس تاریخی حقیقت کو جھٹلایا نہیں جاسکتا کہ نبی ﷺ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو فوت ہو چکے ہیں، اور نہ ہی صحیح بخاری کی اس حدیث سے صرفِ نظر کیا جاسکتا ہے جس کی رو سے آپ ﷺ کے سانحۂ ارتحال پر جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ: "واللہ مامات رسول اللہ ﷺ" یعنی اللہ کی قسم اللہ کے رسول ﷺ نہیں مرے۔

تو ان کی اس غلط فہمی کو دور کرنے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نبی ﷺ کی موت کا یقین دلانے کیلئے آپ ﷺ کے یارِ غار جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے واشگاف الفاظ میں اعلان فرمایا "ألا من کان منکم یعبد محمداً ﷺ فإن محمداً ﷺ قد مات ومن کان منکم یعبد اللہ فإن اللہ حي لا یموت"۔ (صحیح البخاری، کتاب المناقب وکتاب المغازی وکتاب الجنائز)

سنو! جو کوئی تم میں سے محمد کی بندگی کرتا تھا (وہ جان لے کہ) محمد ﷺ وفات پا چکے ہیں اور جو کوئی تم میں سے اللہ کی بندگی کرتا تھا (وہ بھی جان لے کہ) اللہ زندہ جاوید ہے اسے موت نہیں آنی۔

یہ تاریخی الفاظ کہنے کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف کی تائید میں قرآن کریم کی وہ آیات کی تلاوت فرمائیں: "إنک میت وإنھم میتون"۔ **(الزمر: ۳۰)** (اے نبی ﷺ) آپ کو بھی موت آئے گی اور یہ سب بھی مرنے والے ہیں۔

”وما محمد إلا رسول، قد خلت من قبله الرسل، أفائِن مات أو قتل انقلبتم على أعقابکم، ومن ینقلب علی عقبیه فلن یضر اللہ شیئا، وسیجزی اللہ الشاکرین۔“ **(آل عمران:۱۴۴)** اور محمد ﷺ تو صرف ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بھی (بے شمار) رسول گزرے ہیں، اگر یہ وفات پاجائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو کیا تم لوگ ایڑیوں کے بل (دین اسلام سے) پھر جاؤ گے، اور جو کوئی ایڑیوں کے بل پھر جائیگا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہیں کرے گا، اور عنقریب اللہ شکر کرنے والوں کو بدلہ دے گا۔

صحیح بخاری کی مذکورہ بالا حدیث میں یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ کی وفات کے موقعہ پر تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مسجد نبوی میں جمع تھے، چنانچہ آپ ﷺ کی میت میں اگر ذرہ برابر زندگی کی رمق باقی ہوتی تو یہی موقعہ تھا کہ آپ ﷺ اپنے اوپر ڈالی گئی دھاری دار چادر سے اپنا دستِ مبارک باہر نکال کر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مؤقف کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی موجودگی میں رد فرمادیتے اور وفات کے بعد اپنی جسمانی زندگی کا واضح ثبوت اپنے پیچھے چھوڑ جاتے، لیکن ایسا نہیں ہوا، ان تاریخی حقائق سے تبلیغی بھائیوں پر واضح ہوگیا ہوگا کہ ”شیخ الحدیث صاحب“ نے فضائل حج میں سید احمد رفاعی کا جو قصہ نقل کیا ہے، سراسر جھوٹ ہے، اور اس قصہ کو صحیح مان لینے سے قرآن کی محکم آیات اور صحیح بخاری کی صحیح حدیث کا انکار لازم آتا ہے۔

ایک بات یہ بھی سوچنے کی ہے کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کی سب سے چہیتی زوجہ تھیں، انہی کی گود میں سر رکھے ہوئے آپ ﷺ نے وفات پائی اور انہی کے حجرے میں آپ ﷺ کو دفن کیا گیا۔(بحوالہ صحیح بخاری) اور ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آخری عمر تک وہیں قیام پذیر رہیں، لیکن ایک مرتبہ بھی نبی ﷺ کا دست مبارک قبر سے باہر نہیں نکلا کہ وہ اس کی زیارت کرتیں، اس کو چومتیں اور اپنی آنکھوں سے لگاتیں، تبلیغی بھائیو! ذرا سوچو کہ سید احمد رفاعی نبی ﷺ کو عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زیادہ پیارے تھے کہ آپ ﷺ نے انہیں اپنے دستِ مبارک کو چومنے کا موقعہ دیا، یا ان کے اشعار میں کن فیکون والی طاقت“ تھی کہ یوم البعث سے پہلے ہی نبی ﷺ معجزانہ طور پر زندہ ہوگئے اور اپنا دستِ مبارک قبر سے باہر نکال کر اپنی جسمانی زندگی کا ثبوت پیش فرما گئے، اس قصہ کے جھوٹے ہونے کی ایک عقلی دلیل یہ بھی ہے کہ اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ۹۰ ہزار کا مجمع تھا جس نے یہ منظر دیکھا، یہ بات غور طلب ہے کہ کیا ۵۵۵ھ میں مسجدِ نبوی میں اتنے افراد کی گنجائش تھی جن کے موجود ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔

تبلیغی بھائیو! آپ کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ ”شیخ الحدیث صاحب“ تو اس قسم کے شرکیہ واقعات اور عشقیہ اشعار سے ساری عمر دل بہلانے کے بعد اس دنیائے رنگ وبو سے کوچ فرما گئے ہیں اب آپ کو کیا پڑی ہے کہ ان کی کتابوں سے ایسے قصے پڑھ کر اور دوسروں کو سنا کر اپنی زندگیاں برباد کریں؟ **(تبلیغی نصاب کا جائزہ: ص ۱۱۴ تا ۱۱۶)**

الجواب:

اس واقعہ پر غیر مقلدین اہل حدیث حضرات نے ۵ اعتراضات کئے ہیں:

۱ – زکریا صاحبؒ کا لکھا ہوا یہ واقعہ جھوٹ اور دھوکہ پر مبنی ہے۔

۲ – یہ واقعہ کفریہ اور شرکیہ ہے، کیونکہ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ اپنے روضہ مبارک میں زندہ ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مردہ زندہ نہیں ہے اور ان کو تو اپنے اٹھائے جانے کا احساس بھی نہیں ہے۔

۳ – صحابہ کرامؓ کے لئے نبی ﷺ کا ہاتھ نہیں نکلا تو احمد رفاعیؒ کے لئے کیسے نکل سکتا ہے؟

۴ – ۹۰،۰۰۰ کے مجمع نے حضور ﷺ کے ہاتھ کو کیسے دیکھ لیا، جبکہ حضور ﷺ کی مسجد اس زمانہ میں بہت چھوٹی سی تھی۔

۵ – سید احمد رفاعیؒ نے اپنی روح کو حضور ﷺ کی خدمت میں کیسے بھیجا؟ (جیسا کہ ان اشعار میں موجود ہے)

اعتراض نمبر "۱" کا جواب نمبرا:

جس واقعہ پر اعتراض کیا گیا ہے، اس کو ملاحظہ فرمائیے، حضرت زکریا صاحبؒ لکھتے ہیں کہ " سید احمد رفاعیؒ مشہور بزرگ، اکابر صوفیہ میں سے ہیں، انکا قصہ مشہور ہے کہ جب ۵۵۵ھ میں حج سے فارغ ہو کر زیارت کے لئے (مدینہ منورہ) حاضر ہوئے اور قبر اطہر کے مقابل (سامنے) کھڑے ہوئے، تو یہ ۲ شعر پڑھے:

ترجمۂ اشعار:

دوری کی حالت میں، میں اپنی روح کو خدمتِ اقدس میں بھیجا کرتا تھا، وہ میری نائب بن کر آستانۂ مبارک کو چومتی تھی۔ اب جسموں کی حاضری کی باری آئی ہے، اپنا دستِ مبارک عطا کیجئے تاکہ میرے ہونٹ اس کو چومیں۔

اس پر قبر شریف سے دست مبارک باہر نکلا اور انہوں نے اس کو چوما۔ **(الحاوی للسیوطی)**

(فضائل اعمال: جلد ۲: فضائل حج: صفحہ ۱۳۰ – ۱۳۱، یسین بک ڈپو، نیو دھلی)

(فضائل اعمال: جلد ۲: فضائل حج: صفحہ ۷۸۹، ۷۹۰، دینیات ایڈیشن)

اسکین: فضائل اعمال یسین بک ڈپو ایڈیشن

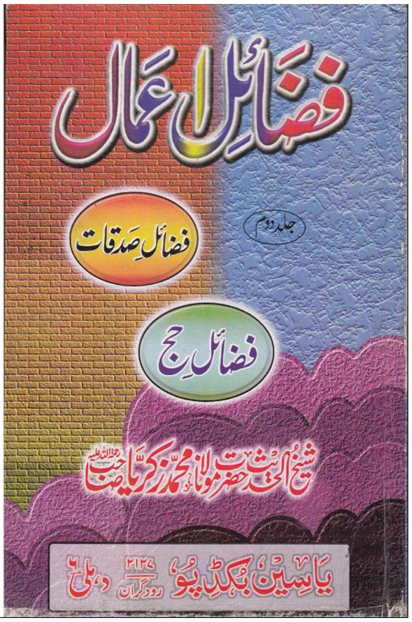

اسکین: فضائل اعمال دینیات اڈیشن

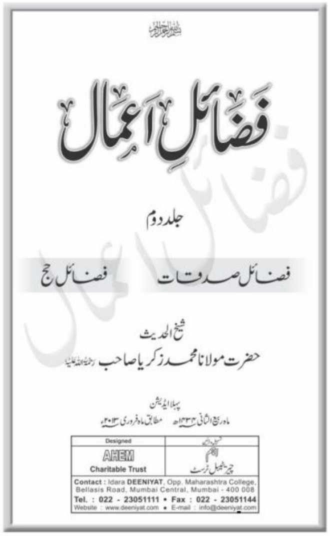

وضاحت:

یہ واقعہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ نے اپنی طرف سے بنا کر نہیں لکھا ہے، بلکہ غیر مقلدین کے "امام" سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) کی کتاب **"الحاوی للفتاوی"** سے نقل کیا ہے۔ نیز سلف کی کتابوں میں صحیح سند کے ساتھ یہ واقعہ موجود ہے، جس کی تفصیل رسالہ **دفاع اسلاف: اشاعت نمبر ۱ : ص: ۱** پر موجود ہے۔

الغرض معلوم ہوا کہ یہ واقعہ شیخ الحدیثؒ نے سلف کی کتابوں سے نقل فرمایا ہے۔

نیز اس واقعہ کے بارے میں، امام ابو عبد اللہ جمال الدین محمد بن احمد المطریؒ (م۷۴۱ھ) جن کو علماء نے امام، علامہ، قرآن وحدیث اور تاریخ کا عارف (جاننے والا) قرار دیا ہے، **لحظ الألحاظ: جلد ۱: صفحہ ۱۱۰، الاعلام للزرکلی: جلد ۵: صفحہ ۳۲۵۔**

اسکین: لحظ الألحاظ

١١٠

﴿ الجمال المطري ﴾ (١)

محمد بن احمد بن محمد بن خلف بن عيسى بن عباس بن بدر بن يوسف بن علي بن عثمان الانصاري السعدي العبادي المدني العلامة أقضى القضاة جمال الدين أبو عبد الله مولده في سنة احدى أو ثلاث وسبعين وستمائة وكان اماماً له مشاركة وتبحر في فنون من العلم منها الحديث والفقه والتاريخ ولي نيابة القضاء والامامة والخطابة بالمدينة النبوية على الحال بها أفضل الصلاة والسلام وألف لها تاريخاً سماه (التعريف بما أنست الهجرة من معالم دار الهجرة) وكان ذا خلق حسن جامعاً للفضائل والمحاسن صدراً من الصدور وكان رئيس المؤذنين بالحرم الشريف النبوي، روى عن أبي اليمن عبد الصمد بن عبد الوهاب ابن عساكر والحافظ شرف الدين الدمياطي والتاج علي بن احمد الغرافي والامين محمد بن القطب القسطلاني والامام عفيف الدين عبد السلام ابن محمد بن مزروع والشيخ ابي محمد عبد الله بن عمران السكري وأبي المعالي احمد بن اسحق بن المؤيد الابرقوهي وتقي الدين الحسين بن علي بن ظافر بن ابي المنصور المالكي والعز الفارقي، وحدث بالحرمين الشريفين، مات رحمه الله تعالى بالمدينة الشريفة على الحال بها أفضل الصلاة والسلام في سنة احدى وأربعين وسبعمائة ودفن بالبقيع.

(١) نسبة للمطرية المصرية . من انساب الضوء اللامع

یہ امام ابو عبد اللہ جمال الدین المطریؒ (م۷۴۱ھ) فرماتے ہیں کہ: **'اس واقعہ کا انکار وہی کر سکتا ہے، جو معجزہ کا انکاری ہو'۔(مراتب العارفین، بحوالہ کنز المطلسم: صفحہ ۵)**

اسکین:

هـذا كتاب الكنز المطلسم فى مديد النبى صلى الله عليه وسلم لولده
الغوث الرفاعى الاعظم رضى الله عنه من تأليف شبله المشار اليه
بالبنان والطائر الصيت فى الاقطار والبلدان مربى المريدين
قدوة العلماء العاملين حضرة صاحب السيادة والسماحة
السيد محمد أبو الهدى أفندى الصيادى الرفاعى
الخالدى نقيب أشراف حلب الشهباء وشيخ
المقام العامر الصيادى والسجادة
الرفاعية العلية دام محروسا
بالانظار النبويه
آمـين

طبع على نفقة خادم العلم الشريف ونعال الفقراء والسجادة الرفاعية
سيف الدين ابراهيم أبو الفتوح آل حرب الصيادى الرفاعى الازهرى
ابن محمد بن الحاج ابراهيم آل حرب الطرابلسى الشامى عفى عنه آمين

* (الطبعة الاولى) *
* (بالمطبعة العلميه سنة ١٣١٣) *
* (هجريه) *

لاشتهاره بالتواتر والاستفاضة من عهده المبارك الى زمننا هذا على السن طبقات المسلمين اشتهارا لا يقابل بمثيل ولا يشاكل بعديل

وليس يصح فى الاذهان شئ * اذا احتاج النهار الى دليل

ولنشرع بالمقصود اتكالا على كرم مفيض الجود المنعم الودود وأخذا بالاستفاضة الخالصة من روحانية سيد المرسلين عليه أفضل صلوات رب العالمين قال الحافظ الكبير والعلامة النحرير جمال الدين أبو عبد الله المطرى رضى الله عنه فى كتابه مراتب العارفين ما نصه ولد السيد أحمد عام اثنى عشر وخمسمائة وشب يتيما بحجر خاله الشيخ منصور فلما ترعرع فى كنف خاله أخذه الى واسط بامر سبق له من النبى صلى الله عليه وسلم فى منامه وأدخله على الامام العلامة المقرى الحجة الشيخ على أبى الفضل الواسطى قدس سره فتولى أمر تربيته وتعليمه وتأديبه امتثالا للامر النبوى فبرع فى العلوم النقلية والعقلية ومهر واشتهر وأحرز قصب السبق على أقرانه ولازال يعظم أمره وينمو علمه حتى تفرد فى زمانه وكان يلازم درس الشيخ أبى بكر الواسطى وهو الاخ الاكبر لامه وكان اذ ذاك المشار اليه فى وقته بين الشيوخ والعلماء ويتردد على الشيخ عبد الملك الحربونى حتى رجع اليه أشياخه وانعقد عليه اجماع الطوائف وقال بتفرده فى ميدان الكمال الموافق والمخالف وأطنب بشأنه رجال الطبقات والمؤرخون كل على قدر فهمه وبلوغ علمه وخدمه الحفاظ الاعيان وأكابر الزمان فألفوا فى شأنه كتبا مخصوصة عديدة تدل على علو قدره وعظم أمره فلما بلغ هذه المرتبة العلية وتبحر فى العلوم الشرعية أجازه خاله الشيخ منصور المشار اليه وألبسه خرقته وأمره بالمقام فى أم عبيدة وهى قرية مشهورة بواسط العراق وكانت بها قاعدة بيت الانصار بنى النجار آباء الشيخ منصور وفيها رواقهم المبارك المدفون فيه جد السيد أحمد الرفاعى لامه الشيخ يحيى النجارى الانصارى والد الشيخ منصور فاقام بها سنة وبعد مضى السنة توفى الشيخ منصور قدس الله روحه وللسيد احمد رضى الله تعالى عنه من العمر ثمان وعشرون سنة فتصدر على سجادة الارشاد بذلك العام ونشر كلمة الهدى فى بلاد الاسلام ونصر سنة النبى عليه الصلاة والسلام واستمر على ذلك الى سنة خمس وخمسين وخمسمائة فحج باشارة معنوية وزار قبر جده عليه الصلاة والسلام وأنشد تجاه القبر الطاهر

فى حالة البعد روحى كنت أرسلها * تقبل الارض عنى وهى نائبتى
وهذه دولة الاشباح قد حضرت * فامدد يمينك كى تحظى بها شفتى

فظهرت له يد جده عليه الصلاة والسلام فقبلها والناس ينظرون وهذه القصة تواتر خبرها لا ينكرها الا جاهل قليل الرواية حاسد لسلطان النبوة وظهور المعجزة المحمدية أو معذور من غير هذه الامة الاحمدية انتهى ﴿وقال الشيخ العارف بالله﴾ الاستاذ العلامة أحمد القشاشى المدنى الدجانى الانصارى نفعنا الله به فى كتاب الدرة الثمينة فيما لزائر النبى

یہ لیجئے، امام ابوعبد اللہ المطری ؒ کے نزدیک تو اس واقعہ کا انکار کرنے والا وہی ہو سکتا ہے، جو نبی ﷺ کے معجزہ کا انکار کرتا ہو۔

یہ غالباً اس وجہ سے ہے، کہ امام نوویؒ (م۶۷۶ھ) فرماتے ہیں کہ اللہ کے ولی کی ہر کرامت نبی ﷺ کے معجزہ (کی برکت سے) ہے۔

(بستان العارفین للنووی: صفحہ ۳۳۹) یاد رہے، غیر مقلدین امام نوویؒ کو اہل حدیث مانتے ہے۔ **(دوماہی مجلہ الاجماع: شمارہ ۲: ص ۱۱۳)**

لہذا غیر مقلدین اہل حدیث حضرات سے گزارش ہے کہ آپ امام ابوعبد اللہ المطری ؒ کے فتوے کی روشنی میں کس چیز کے منکر ہو رہے ہیں، وہ دیکھ لیں اور توبہ کریں۔

اعتراض نمبر "۱" کا جواب نمبر ۲ :

غیر مقلدین اس کبیر احمد رفاعیؒ کے واقعہ کی وجہ سے حضرت شیخ الحدیثؒ پر اعتراض کرتے ہیں، اس واقعے کو جھوٹا، کفریہ اور شرکیہ قرار دیتے ہیں۔

تو ان نام نہاد اہلحدیثوں کے خدمت میں عرض ہیں کہ "آپ کا یہ فتوی امام عبد الکریم بن محمد الرافعیؒ (م ۶۲۳ھ)، امام عزالدین ابو الفرج عمر الفاروثی الواسطیؒ (م ۵۸۵ھ)، شیخ عبدالسمیع الھاشمی الواسطیؒ (م ۵۸۰ھ)، امام علی بن انجبؒ (م ۶۷۴ھ)، امام علی بن الحسن بن احمد الواسطیؒ (م ۷۳۳ھ)، محمد بن عبد اللہ المخزومیؒ (م ۸۸۵ھ)، امام عزالدین احمد بن ابراہیم الفاروثیؒ (م ۶۹۴ھ)، امام ابو اسحاق ابراہیم الفاروثی، شیخ عزالدین احمد الصیّادؒ (م ۶۷۰ھ)، حافظ تقی الدین عبد الرحمٰن الواسطیؒ (م ۷۴۴ھ)، علامہ احمد بن محمد الوتریؒ (م ۹۸۰ھ)، امام محمد بن عبد الرؤف المناویؒ (م ۱۰۳۱ھ)، غیر مقلدین کے "امام" سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) وغیرہ کئی علماء و محدثین پر لگتا ہے۔ کیونکہ ان حضرات نے بھی کبیر احمد رفاعیؒ کے اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔

لہذا غیر مقلدین کے نزدیک یہ تمام کے تمام علماء و محدثین کفریہ، شرکیہ عقیدے رکھنے والے تھے۔ جس طرح ان کے نزدیک شیخ زکریاؒ کفریہ، شرکیہ عقیدے کے حامل تھے۔

الغرض اب یہ تمام کے تمام علماء و محدثین غیر مقلدین اہلحدیث حضرات کے نزدیک قابل حجت نہیں ہے۔ نہ ان کی ذات اور نہ ہی ان علماء و محدثین کے اقوال، کیونکہ اہل حدیث حضرات کا منہج ہے کہ وہ صرف جمہور صحیح العقیدہ محدثین کو مانتے ہیں۔ **(الحدیث: شمارہ ۱۱۲: ص ۸)** بلکہ اہل حدیث محدث زبیر علی زئی صاحب نے صراحت کی ہے کہ "یاد رہے کہ ضعیف و مجروح، نیز اہل بدعت یعنی گمراہوں کو جمہور میں ہرگز شمار نہیں کیا جاتا، بلکہ ان لوگوں کا وجود اور عدم وجود ایک برابر ہے۔" **(الحدیث: شمارہ ۱۱۲: ص ۹)**

لہذا غیر مقلدین اہل حدیث حضرات کے نزدیک یہ تمام کے تمام علماء و محدثین کفریہ، شرکیہ عقیدے کے حامل ہونے کی وجہ سے حجت نہیں ہیں۔

اعتراض نمبر "۲" کا جواب:

طالب الرحمن وغیرہ غیر مقلدین نے یہاں پر دھوکہ دیتے ہوئے کہا کہ یہ واقعہ قرآن کے خلاف ہے، کیونکہ قرآن پاک میں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: 'أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ' کہ یہ مردے زندہ نہیں ہیں۔

حالانکہ قرآن میں ہی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ: 'وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ' جو اللہ کے راستہ میں شہید ہوتے ہیں، ان کو مردہ مت کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تم شعور نہیں رکھتے۔ **(سورہ بقرہ: ۱۵۴)**

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ: 'وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ' جو لوگ اللہ کے راستہ میں قتل کئے جاتے ہیں انکو تم مردہ گمان مت کرو، بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے یہاں رزق دیئے جاتے ہیں۔ **(سورہ آل عمران:١٦٩)**

ان دونوں آیات کے صرف ظاہری ترجمہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنی موت کے بعد بھی شہید اپنی قبر میں زندہ رہتا ہے۔

اور غیر مقلدین کا اصول ہے کہ قرآن کریم کی ایک آیت دوسری آیت کی تشریح اور وضاحت کرتی ہے۔ **(نور العینین: صفحہ ١٢٠)** لہذا خود غیر مقلدین کے اپنے اصول سے، معلوم ہوا کہ قرآن پاک نے شہداء کی تخصیص کی ہے کہ ان کو مردہ نہ کہا جائے، نیز: 'أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ' سے مراد شہید نہیں ہے،[3] تو پھر اس سے مراد کیا ہے، اس کی تفسیر میں مفسرین کے ارشادات ملاحظہ فرمائیے:

حافظ ابن الجوزیؒ **(م ٥٩٧ھ)** فرماتے ہیں کہ: 'قوله تعالى: أَمْواتٌ غَيْرُ أَحْياءٍ يعني: الأصنام' اللہ تعالیٰ کا قول 'أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ' سے مراد بت (پتھر) ہیں۔ **(زاد المسیر: جلد ٢: صفحہ ٥٥٤)**، امام، مفسر ابو الحسن الواحدیؒ **(م ٤٦٨ھ)** فرماتے ہیں کہ: 'لا روح فيها يعني: الأصنام' اموات سے مراد وہ ہے جن میں روح نہیں ہوتی یعنی بت۔ **(الوجیز للواحدی: صفحہ ٦٠٣)**، امام ابو عبد اللہ القرطبیؒ **(م ٦٧١ھ)** کہتے ہیں کہ: '(أَمْواتٌ غَيْرُ أَحْياءٍ) أَيْ هُمْ أَمْوَاتٌ، يَعْنِي الْأَصْنَامَ، لَا أَرْوَاحَ فِيهَا وَلَا تَسْمَعُ وَلَا تُبْصِرُ، 'أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ' سے مراد بت ہیں جس میں روحیں نہیں ہیں اور نہ وہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں۔ **(تفسیر طبری: جلد ١٠: صفحہ ٩٤)** اسی طرح حافظ بغویؒ کہتے ہیں کہ: '{أَمْوَاتٌ} أَيْ: الْأَصْنَامُ'۔ **(تفسیر بغوی: جلد ٥: صفحہ ١٤، نسخہ دار الطیبہ)**، امام ابو المظفر السمعانیؒ **(م ٤٨٩ھ)** اور مشہور مفسر ناصر الدین بیضاویؒ **(م ٦٨٩ھ)** کے نزدیک بھی اموات سے مراد بت ہیں۔ **(تفسیر القرآن للسمعانی: جلد ٣: صفحہ ١٦٥، تفسیر بیضاوی: جلد ٣: صفحہ ٢٢٣)**، امام ابو محمد بن عطیہ الاندلسی الحاربیؒ **(م ٥٤٢ھ)** کہتے ہیں کہ 'أَمواتٌ یراد به الذین یدعون من دون الله' اموات سے مراد وہ (بت) ہیں، جنہیں اللہ کو چھوڑ کر پکارا جاتا ہے۔ **(تفسیر ابن عطیہ: جلد ٣: صفحہ ٣٨٦)**، حافظ ابن کثیرؒ **(م ٧٧٤ھ)** کہتے ہیں کہ: 'جَمَادَاتٌ لَا أَرْوَاحَ فِيهَا فَلَا تَسْمَعُ وَلَا تُبْصِرُ وَلَا تَعْقِلُ' اموات سے مراد جمادات ہیں، جن میں روحیں نہیں ہوتیں، تو نہ وہ سنتیں ہیں، نہ دیکھتے ہیں اور نہ عقل رکھتے ہیں۔ **(تفسیر ابن کثیر: جلد ٤: صفحہ ٥٦٤)**، امام ابن جریر طبریؒ **(م ٣١٠ھ)** فرماتے ہیں کہ: ”يقول

---

[3] یہ الگ بحث ہے کہ: 'وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ' اور 'وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا' والی آیت سے انبیاء علیہم السلام کا بھی اپنی قبروں میں زندہ رہنا ثابت ہوتا ہے، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے، لہذا جب 'أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ' سے شہید مراد نہیں، تو انبیاء علیہم السلام کیسے مراد ہوسکتے ہیں، اور پھر مفسرین نے بھی یہ نہیں کہا کہ: 'أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ' سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں، بلکہ جمہور مفسرین نے وضاحت کی کہ 'أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ' سے مراد بت (یعنی پتھر) ہیں، جس کی تفصیل اوپر موجود ہیں۔

تعالى ذكره لهؤلاء المشركين من قريش: والذين تدعون من دون الله أيها الناس (أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ) وجعلها جلّ ثناؤه أمواتا غير أحياء، إذ كانت لا أرواح فيها. كما حدثنا بشر، قال: ثنا يزيد، قال: ثنا سعيد، عن قتادة، قوله (أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ) وهي هذه الأوثان التي تُعبد من دون الله أموات لا أرواح فيها، ولا تملك لأهلها ضرّا ولا نفعا" اللہ تعالیٰ نے قریش کے ان مشرکین سے کہا کہ ' اے لوگو، تم اللہ کو چھوڑ کر جن (بتوں) کو پکارتے ہو، وہ مردہ ہے، زندہ نہیں، اس میں روحیں نہیں ہیں، جیسا کہ امام قتادہؒ (م ۱۱۸ھ) نے فرمایا (وہ فرماتے ہیں) کہ وہ بت جن کی اللہ کو چھوڑ عبادت کی جاتی ہے، مردہ ہیں، ان میں روحیں نہیں ہیں، اور بت اپنی عبادت کے کرنے والوں کے نہ نفع کے مالک ہیں اور نہ نقصان کے۔ **(تفسیر طبری: جلد ۱۷: صفحہ ۱۸۷**، واسنادہ صحیح الی قتادہ)

مفسرین رحمہم اللہ کے ارشادات سے واضح ہوا کہ ' أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ ' والی آیات بتوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ لیکن بڑا تعجب ہے اس شخص پر، کہ وہ کیسے دھوکہ دے رہے ہیں، مسلمانوں کو، کہ بتوں والی آیت کو مسلمانوں پر پڑھ رہا ہے۔

لہذا 'أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ ' والی آیات نہ شیخ احمد رفاعیؒ کے واقعہ کے خلاف اور نہ انبیاء کی اپنی قبروں میں حیات رہنے کے خلاف ہے۔ کیونکہ ' أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ 'بتوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، نہ کہ مسلمانوں کے بارے میں، پھر الثا انبیاء علیہم السلام کا اپنے قبروں میں زندہ رہنا قرآن مجید اور اس کی تفسیر سے ثابت ہے۔

چونکہ بعض جاہل لوگوں نے عقیدہ حیاۃ النبی ﷺ کو کفریہ اور شرکیہ بتایا ہے، لہذا ہم عقیدہ حیاۃ النبی ﷺ پر کچھ دلائل ذکر کر دیتے ہیں:

دلیل نمبر ۱ :

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ: 'وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ' جو اللہ کے راستہ میں شہید ہوتے ہیں، ان کو مردہ مت کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تم شعور نہیں رکھتے۔ **(سورہ بقرہ: ۱۵۴)**

اس آیت سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام بھی شہداء کی طرح اپنی قبروں کی زندہ ہے، کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا مقام و مرتبہ شہید کے درجہ سے بڑا ہے، تو جب چھوٹے درجہ والے کو یہ انعام و مقام مل رہا ہے، تو بڑے درجہ کو بطور اولی یہ مقام حاصل ہوگا اور اس

آیت کے تحت میں مفسرین کا بھی یہی کہنا ہیں کہ اس آیت سے انبیاء علیہم السلام کا اپنے قبروں میں زندہ رہنا (عقیدہ حیاۃ النبی ﷺ) ثابت ہوتا ہے[4]۔

دلیل نمبر ۲ :

ایک اور جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہیں کہ: 'وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمۡوَاتًا بَلۡ أَحۡيَاءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُونَ' جو لوگ اللہ کے راستہ میں قتل کئے جاتے ہیں، ان کو تم مردہ گمان مت کرو، بلکہ وہ زندہ ہے اور اپنے رب کے یہاں انہیں رزق دیئے جاتے ہیں۔ **(سورہ الانعام:۱۶۹)**

اس آیات کی تفسیر میں ائمہ اکرام اور علماء کے ارشادات ملاحظہ فرمائے:

(۱) امام تقی الدین سبکیؒ **(م ۷۵۶ھ)** فرماتے ہیں: اور کتاب عزیز بھی اس پر دلالت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: " **ولاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل الله امواتا**"۔ **(آل عمران ۶۹)** اور جب یہ شہید کے حق میں ثابت ہوا تو نبی ﷺ کے حق میں کئی وجہ سے ثابت ہے:

پہلا: یہ بلند مرتبہ شہید کے اکرام کے لئے اسے دیا گیا، اور انبیاء کے رتبہ سے بڑھ کر کوئی رتبہ نہیں، اور بے شک انبیاء کا حال زیادہ بلند اور زیادہ کامل ہے تمام شہیدوں کے حال سے، پس یہ مستحیل (بعید) ہے کہ شہیدوں کو کوئی کمال حاصل ہو اور انبیاء کو حاصل نہ ہو، خاص کر یہ کمال جو مزید قرب، نعمت، ملأ اعلی سے انس کا موجب ہے۔

دوسرا : بے شک یہ رتبہ شہیدوں کو ان کے جہاد اور اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی جان قربان کرنے کے اجر کے طور پر حاصل ہوا، اور اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی توفیق سے، نبی ﷺ نے ہی ہمارے لئے اس سنت کو جاری کیا، اور اس طرف ہمیں بلایا اور اس طرف ہماری رہنمائی کی

---

[4] اور مشہور مفسر، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ **(م ۱۲۲۵ھ)** فرماتے ہیں کہ 'الحق عندی عدم اختصاصها بهم بل حيوة الأنبياء أقوى منهم وأشد ظهورا اثارها في الخارج حتى لا يجوز النكاح بأزواج النبي صلى الله عليه وسلم بعد وفاته بخلاف الشهيد' میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ یہ حیات شہداء کو ہی عطا نہیں ہوئی، بلکہ آثار اور احکام سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں یہ حیات سب سے زیادہ ہے، یہاں تک کہ اس کا اثر خارج میں (دنیا میں) یہ ہے کہ نبی ﷺ کی ازواج سے آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی نکاح جائز نہیں، جبکہ شہید کی زوجہ سے نکاح جائز ہے۔ **(تفسیر مظہری: جلد ۱: صفحہ ۱۵۲)** یہ بات حضرت تھانویؒ اور ان کے شاگرد مفتی محمد شفیع عثمانی صاحبؒ نے بھی کہی ہے اور انبیاء کی حیات کا دنیاوی اثر میں ایک دلیل یہ بھی ذکر کی ہے کہ انبیاء کی میراث بھی تقسیم نہیں ہوتی، جبکہ شہید کی ہوتی ہے۔ **(بیان القرآن: جلد ۱: صفحہ ۸۸، معارف القرآن: جلد ۱: صفحہ ۳۴۳)**

،اور نبی ﷺ ارشاد فرماتے ہیں جو اچھا راستہ جاری کرے، تو اسے اس کا اجر ملے گا، اور قیامت تک جو اس پر عمل کرے گا اس کا بھی اجر ملے گا، اور جو برا راستہ جاری کرے گا، تو اس پر اس کا گناہ ہو گا، اور قیامت پر جو اس پر عمل کرے گا اس کا بھی گناہ ملے گا۔

تیسرا: نبی کریم شہید ہیں، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کو جب خیبر میں زہر دیا گیا، اور آپ ﷺ نے زہریلی بکری کھائی، اور وہ زہر تو اسی دم قتل کر دینے والا تھا، جس کی وجہ سے حضرت بشر بن براءؓ کا انتقال ہو گیا، البتہ نبی کریم ﷺ باقی رہے، یہ آپ ﷺ کے حق میں معجزہ تھا، اس زہر کا درد بار بار عود (لوٹ) کر آتا یہاں تک کہ مرض وفات میں اسی کی وجہ سے آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا، (آپ نے ارشاد فرمایا) خیبر کے کھانے کا اثر بار بار لوٹ آتا ہے، یہاں تک کہ اب جیسے میری شہ رگ کٹنے کا وقت ہے۔ **(شفاء السقام للسبکی: ص ۴۰۳-۴۰۶)**

(۲) امام حافظ محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی شافعیؒ (م ۹۰۲ھ) کہتے ہیں کہ "ومن أدلة ذاك أيضاً قوله تعالى: {وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ} فإن الشهادة حاصلة له -صلى الله عليه وسلم- على أتم الوجوه لأنه شهيد الشهداء. وقد صرح ابن عباس وابن مسعود وغيرهما -رضي الله عنهم- بأنه -صلى الله عليه وسلم- مات شهيداً" اس کی [یعنی حیات انبیاء کی] دلیلوں میں سے [ایک دلیل] اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے "ولا تحسبن الذين قتلوا فی سبیل الله امواتا" اور نبی کریم ﷺ کو شہادت پوری طرح حاصل ہے، اس لئے کہ آپ شہیدوں کے شہید ہیں، اور حضرت ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ اور دوسرے صحابہ کرام نے صراحت کی ہے کہ آپ ﷺ نے شہید کے طور پر وفات پائی ہے۔ **(القول البدیع: ص ۱۷۳)**

(۳) امام، حافظ، علامہ جلال الدین سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں "قَالَ تَعَالَى فِي الشُّهَدَاءِ: {وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ} وَالْأَنْبِيَاءُ أَوْلَى بِذَلِكَ، فَهُمْ أَجَلُّ وَأَعْظَمُ، وَمَا نَبِيٌّ إِلَّا وَقَدْ جَمَعَ مَعَ النُّبُوَّةِ وَصْفَ الشَّهَادَةِ، فَيَدْخُلُونَ فِي عُمُومِ لَفْظِ الْآيَةِ" اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ولا تحسبن الذين قتلوا فی سبیل الله امواتا" اور انبیاء اس کے زیادہ لائق ہیں، اس لئے کہ وہ زیادہ جلیل القدر اور زیادہ بڑے ہیں، اور ہر نبی نے نبوت کے ساتھ ساتھ شہادت کے وصف کو جمع کیا ہے، پس الفاظ آیت کے عموم میں داخل ہیں۔ **(الحاوی للفتاوی للسیوطی: ج ۲: ص ۱۸۰)**

(۴) مشہور غیر مقلد عالم قاضی شوکانیؒ (م ۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں "وورد النص في كتاب الله في حق الشهداء أنهم أحياء يرزقون وأن الحياة فيهم متعلقة بالجسد فكيف بالأنبياء والمرسلين. وقد ثبت في الحديث «أن الأنبياء أحياء في قبورهم رواه المنذري وصححه البيهقي. وفي صحيح مسلم عن النبي -صلى الله عليه وسلم- قال: «مررت ليلة أسري بي بموسى عند الكثيب الأحمر وهو قائم يصلي في قبره" کہ کتاب اللہ میں شہداء کے حق میں نص وارد ہوئی ہے، کہ وہ زندہ ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے، اور ان کی حیات جسمانی ہے، پس انبیاء اور رسولوں کیسے (ایسے نہیں ہوسکتے) جب کہ حدیث میں ثابت ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اسے منذریؒ

نے نقل کیاہے، اور بیہقیؒ نے صحیح کہاہے، اور صحیح مسلم میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ میں معراج کی رات موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا سرخ ٹیلے کے پاس سے وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

(۵) جامعہ اسلامیہ مدنیہ المنورۃ کے سلفی استاذ الدکتور احمد بن عطیہ الغامدی لکھتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "ولاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا" میں شہداء کی حیات صاف طور پر قرآن کریم سے ثابت ہے، اور رسول شہداء سے زیادہ کامل ہیں، لہذا وہ شہداء کے مقابلہ میں حیات کے زیادہ حق دار ہیں۔ (**حیاۃ الانبیاء للبیہقی: ص ۳۵، تحقیق** احمد بن عطیہ الغامدی)

حیات شہداء سے حیات انبیاء پر استدلال کرنے والے چند مزید اسلاف

(۶) امام بیہقیؒ (**م ۴۵۸ھ**) فرماتے ہیں "وَهَذَا إِنَّمَا يَصِحُّ عَلَى أَنَّ اللهَ جَلَّ ثَنَاؤُهُ رَدَّ إِلَى الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ أَرْوَاحَهُمْ فَهُمْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ كَالشُّهَدَاءِ" یہ اس طور پر صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی روح لوٹادی پس وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں جیسے کہ شہداء۔ (**حیاۃ الانبیاء للبیہقی: ص ۱۱۱، تحقیق** احمد بن عطیہ الغامدی)

(۷) امام ابوعبد اللہ القرطبیؒ (**م ۶۷۱ھ**) فرماتے ہیں کہ "قال شيخنا أحمد بن عمر: والذي يزيح هذا الإشكال إن شاء الله تعالى أن الموت ليس بعدم محض، وإنما هو انتقال من حال إلى حال، ويدل على ذلك: أن الشهداء بعد قتلهم وموتهم أحياء عند ربهم يرزقون، فرحين مستبشرين، وهذه صفة الأحياء في الدنيا وإذا كان هذا في الشهداء، كان الأنبياء بذلك أحق وأولى، مع أنه قد صح عن النبي صلى الله عليه وسلم «أن الأرض لا تأكل أجساد الأنبياء» وأن النبي صلى الله عليه وسلم قد اجتمع بالأنبياء ليلة الإسراء في بيت المقدس، وفي السماء وخصوصاً بموسى وقد أخبرنا النبي صلى الله عليه وسلم بما يقتضي ان الله تبارك وتعالى يرد عليه روحه حتى يرد السلام على كل من يسلم عليه إلى غير ذلك مما يحصل من جملته القطع بأن موت الأنبياء إنما هو راجع إلى أن غيبوا عنا بحيث لا تدركهم، وإن كانوا موجودين أحياء، وذلك كالحال في الملائكة فإنهم موجودون أحياء ولا يراهم أحد من نوعنا إلا من خصه الله بكرامة من أوليائه. وإذا تقرر أنهم أحياء فإذا نفخ في الصور نفخة الصعق صعق كل من في السموات ومن في الأرض إلا من شاء الله فأما صعق غير الأنبياء فموت. وأما صعق الأنبياء، فالأظهر: أنه غشية. فإذا نفخ في الصور نفخة البعث، فمن مات حيي ومن غشي عليه أفاق"

(۸) ہمارے استاذ، حافظ ابوالعباس احمد بن عمر القرطبیؒ (**م ۶۵۶ھ**) کہتے ہیں کہ اور جو چیز اس اشکال کو ان شاء اللہ دور کردے گی کہ موت بالکل ختم ہوجانے کا نام نہیں، بلکہ وہ ایک حال سے دوسرے حال منتقل ہونے کا نام ہے، اور اسپر دلیل یہ ہے کہ شہداء اپنے قتل اور موت کے بعد اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے، خوش وخرّم ہیں، اور دنیا میں زندوں کی یہی صفت ہوتی ہے، بس جب یہ شہیدوں میں ہے، تو انبیاء اس کے زیادہ حق دار اور لائق ہیں، ساتھ ساتھ یہ کہ نبی ﷺ سے صحیح طور پر سے مروی ہے کہ زمین انبیاء کے جسموں کو نہیں کھاتی، اور نبی ﷺ کی شبِ معراج بیت المقدس میں اور آسمان پر انبیاء کرام سے ملاقات ہوئی، خاص طور پر موسیٰ علیہ السلام سے، اور نبی ﷺ نے ہمیں بتایا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی روح لوٹاتے ہیں یہاں تک کہ آپ ہر اس شخص کو

جواب دیتے ہیں جو آپ کو سلام کرتا ہے، اس کے علاوہ کئی چیزیں ہیں جن کے مجموعہ سے یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کی موت سے مراد یہ ہے کہ وہ ہم سے چھپا لئے گئے ہیں، اس طور پر ہم ان کو دیکھ نہیں پاتے ہیں، حالانکہ وہ زندہ موجود ہیں، یہی حال ملائکہ کا ہے کہ وہ زندہ موجود ہیں مگر ان ہم جیسے لوگ دیکھ نہیں پاتے، اِلا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے ساتھ بطور کرامت کے خصوصی معاملہ فرمائیں، اور جب یہ ثابت ہوا کہ وہ زندہ ہیں، پس جب بے ہوشی کا صور پھونکا جائے گا، تو آسمان وزمین میں جو کوئی ہے سب بے ہوش ہو جائیں گے، سوائے اس کے جسے اللہ چاہے، پس غیر انبیاء کا بے ہوش ہونا تو موت ہے، اور رہی انبیاء کی بے ہوشی تو زیادہ ظاہر یہ ہے کہ وہ غشی طاری ہونا ہے، پھر جب اٹھائے جانے کا صور پھونکا جائے گا، تو جو مر چکا ہے وہ زندہ ہو گا اور جس پر غشی طاری ہوئی تھی اسے ہوش آجائے گا۔
(التذکرہ للقرطبی: ص ۴۵۹-۴۶۰)

(۹) امام نووی ؒ(م ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں "فإن قيل كيف يحجون ويلبون وهم أموات وهم في الدار الآخرة وليست دار عمل فاعلم أن للمشايخ وفيما ظهر لنا عن هذا أجوبة أحدها أنهم كالشهداء بل هم أفضل منهم والشهداء أحياء عند ربهم" پس اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ وہ کیسے حج کرتے ہیں اور تلبیہ پڑھتے ہیں، حالانکہ وہ وفات پا چکے ہیں، اور وہ دار آخرت میں ہیں، اور وہ دار عمل نہیں۔ پس جان لو کہ مشائخ کی طرف سے، اور جیسا کہ ہمیں سمجھ میں آرہا ہے، اس کے چند جوابات ہیں، ایک یہ کہ وہ شہیدوں کی طرح ہیں، بلکہ وہ شہیدوں سے افضل ہیں اور شہداء اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ **(شرح مسلم للنووی: ج ۲: ص ۲۲۸)**

(۱۰) امام حافظ محدث ابن حجر عسقلانی ؒ(م ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ "وإذا ثبت أنهم أحياء من حيث النقل فإنه يقويه من حيث النظر كون الشهداء أحياء بنص القرآن والأنبياء أفضل من الشهداء" پس جب دلائل نقلیہ سے ثابت ہوا کہ وہ زندہ ہیں تو عقلی طور پر بھی اسی کو تقویت ہوتی ہے، اس طرح کہ شہداء کا زندہ ہونا نص قرآنی ہے اور انبیاء، شہداء سے افضل ہیں۔ **(فتح الباری: ج ۶: ص ۴۴۴)**

ایک مقام پر حافظ ؒ رقم طراز ہیں کہ "لأن الأنبياء أحياء عند الله وإن كانوا في صورة الأموات بالنسبة إلى أهل الدنيا وقد ثبت ذلك للشهداء ولا شك أن الأنبياء أرفع رتبة من الشهداء" اس لئے کہ انبیاء اللہ تعالیٰ کے یہاں زندہ ہیں، اگرچہ وہ اہل دنیا کی نسبت مردوں کی طرح ہیں، اور یہ چیز شہیدوں کے حق میں ثابت ہے اور بے شک انبیاء کا مرتبہ شہیدوں سے بلند ہے۔ **(فتح الباری: ج ۶: ص ۴۴۴)**

معلوم ہوا کہ قرآن مع تفسیر سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ سمیت تمام انبیاء اپنے جسموں کے ساتھ اپنی قبروں میں حیات ہیں۔

دلیل نمبر ۳:

امام ابو یعلیٰ الموصلی ؒ(م ۳۰۷ھ) فرماتے ہیں کہ:

حَدَّثَنَا أَبُو الْجَهْمِ الْأَزْرَقُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي بُكَيْرٍ، حَدَّثَنَا الْمُسْتَلِمُ بْنُ سَعِيدٍ، عَنِ الْحَجَّاجِ، عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُورِهِمْ يُصَلُّونَ۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔**(مسند ابی یعلیٰ: جلد۶: صفحہ ۱۴۷، رقم ۳۴۲۵**[5] مسند ابی یعلیٰ کے محقق شیخ حسین سلیم اسد نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے، اسی طرح حافظ ہیثمیؒ نے اس کے رجال کو ثقہ کہا ہے، امام بیہقیؒ، حافظ مناویؒ، ملا علی قاریؒ، وغیرہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے بھی اس حدیث کو صحیح ثابت کیا ہے، **مجمع الزوائد: حدیث نمبر ۱۳۸۱۲، البدر المنیر: جلد۵: صفحہ ۲۸۵، فیض القدیر: جلد۳: صفحہ ۱۸۴، مرقاۃ: جلد۳: صفحہ ۱۰۲۰، فتح الباری: جلد۶: صفحہ ۴۸۷**، شیخ البانی اور شیخ ارشاد الحق اثری صاحب وغیرہ نے بھی اس حدیث کو صحیح اور مضبوط کہا ہے، **سلسلہ الاحادیث صحیحہ: جلد۳: صفحہ ۱۸۷، مسندِ ابی یعلیٰ بتحقیق اثری: جلد۳: صفحہ ۳۷۹)**

دلیل نمبر ۴ :

امام ابو داودؒ (م ۲۷۵ھ) کہتے ہیں کہ:

حدثنا هارون بن عبد الله، حدثنا حسين بن علي، عن عبد الرحمن بن يزيد بن جابر، عن أبي الأشعث الصنعاني، عن أوس بن أوس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة، فيه خلق آدم، وفيه قبض، وفيه النفخة، وفيه الصعقة، فأكثروا علي من الصلاة فيه، فإن صلاتكم معروضة علي» قال: قالوا: يا رسول الله، وكيف تعرض صلاتنا عليك وقد أرمت - يقولون: بليت -؟ فقال: «إن الله عز وجل حرم على الأرض أجساد الأنبياء۔

حضرت اویس بن اویس سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ یقیناً تمہارے لئے سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے، لہٰذا جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا ہے۔

---

[5] اس حدیث کے تمام روات ثقہ ہیں، ازرق بن علیؒ (م ۲۳۰ھ) کو ابن حبانؒ، حافظ ہیثمیؒ، امام بوصیریؒ نے ثقہ کہا ہے، **کتاب الثقات لابن حبان: جلد۸: صفحہ ۱۳۶، مجمع الزوائد: حدیث ۱۸۰۳۵، اتحاف الخیرۃ المھرۃ: جلد۴: صفحہ ۴۶۷**، لہٰذا آپؒ ثقہ ہیں، اور اس سند میں حجاج سے مراد حجاج بن اسود ہے۔**(فوائد للتمام: جلد۱: صفحہ ۳۳، حیات الانبیاء للبیہقی: صفحہ ۶۹، فتح الباری: جلد۹ صفحہ ۴۸۷)** اور ان کو حجاج بن ابی زید الاسود بھی کہتے ہیں۔**(لسان المیزان: جلد۲: صفحہ ۵۵۹، کتاب الثقات للقاسم: جلد۳: صفحہ ۲۹۷)**

صحابہؓ نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ ! آپ پر درود کیسے پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ (کا جسم) بوسیدہ ہو گیا ہو گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسم حرام کر دیئے ہیں۔(**سنن ابی داوٗد: ۱۰۴۷**، امام ابو داوٗدؒ نے سکوت اختیار کیا ہے، اسی طرح حاکمؒ، امام ذہبیؒ، امام ابن خزیمہؒ، امام نوویؒ، امام دار قطنیؒ، امام ابن حبانؒ، امام ابن العربیؒ، امام ابن قطانؒ، حافظ ابن القیمؒ، حافظ ابو الخطاب بن دحیہؒ، حافظ عبد الغنی المقدسیؒ، امام منذریؒ وغیرہ نے اس حدیث کو صحیح اور حسن کہا ہے، **المستدرک للحاکم مع تلخیص للذہبی: جلد۱: صفحہ ۴۱۳، حدیث نمبر ۱۰۲۹، صحیح ابن خزیمہ: حدیث نمبر ۱۷۳۳، فتح الباری: جلد۶: صفحہ ۴۸۸، خلاصۃ الاحکام: جلد۱: صفحہ ۴۴۱، تفسیر ابن کثیر: جلد۶: صفحہ ۴۷۳، التذکرہ للقرطبی: صفحہ ۴۴۹، بیان الوھم: جلد۵: صفحہ ۵۷۴، جلاء الافھام: صفحہ ۸۰، الصارم المنکی: صفحہ ۲۱۰، القول البدیع: صفحہ ۱۶۳**، شیخ البانی نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھیے **سنن ابی داوٗد، بتحقیق البانی: حدیث نمبر ۱۰۴۷**)[6]

یہ حدیث صریح دلیل ہے کہ آپ ﷺ اپنے دنیوی جسم کے ساتھ حیات ہیں، کیونکہ صحابہؓ کے سوال 'کہ یارسول! آپ درود کیسے سن سکتے ہیں؟ جبکہ آپ کا جسمِ مبارک نہیں رہے گا' کے جواب میں کہا کہ 'اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسم حرام کر دیئے ہیں'۔

ثابت ہوا کہ آپ ﷺ اپنے دنیاوی جسم مبارک کے ساتھ حیات ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ علماء اہل سنت والجماعت نے تصریح فرمائی ہے کہ 'حضور ﷺ اپنے روضہ شریفہ میں زندہ ہیں، آپ کی حیات دنیا کی حیات کی طرح ہے'۔(**مصابیح فی عقائد اھل السنہ المعروف المہند علی المفند: صفحہ ۵۱**) اور دنیا کی حیات کا مطلب صرف یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے دنیاوی جسمِ مبارک کے ساتھ روضہ میں حیات ہیں۔

---

[6] **اعتراض:**

زبیر علی زئی صاحب اس سند کو ضعیف قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کی سند میں حسین بن علی الجعفیؒ کا استاد عبدالرحمن بن یزید بن جابر نہیں، بلکہ عبدالرحمن بن یزید بن تمیم ہے، جیسا کہ محدثین سے ثابت ہے۔(**سنن ابی داوٗد: بتحقیق علی زئی حدیث نمبر ۱۰۴۷**)

الجواب:

یہ اعتراض ہی مردود ہے، کیونکہ المستدرک للحاکم: **جلد۱: صفحہ ۴۱۳، حدیث نمبر ۱۰۲۹** میں 'الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ الْجُعْفِيُّ، ثنا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ' حسین بن علی الجعفی نے عبد الرحمن بن یزید بن جابر سے سماع کی تصریح کی ہے، لہٰذا اس روایت کو حسین بن علی الجعفیؒ نے عبد الرحمن بن یزید بن جابر سے ہی سنا ہے، اور امام دار قطنیؒ، حافظ ابن القیم اور حافظ ابن عبد الہادیؒ نے صراحت بھی کی ہے کہ اس روایت میں حسین بن علی الجعفیؒ کا استاد عبد الرحمن بن یزید بن جابر ہی ہے، پھر ابن عبد الہادیؒ اور ابن قیمؒ نے دلائل کے ساتھ ان علماء کا رد کیا ہے، جو کہتے ہیں کہ یہاں ابن التمیم مراد ہے۔(**تعلیقات الدار قطنی: صفحہ ۱۵، جلاء الافہام: ۸۲، الصارم المنکی: صفحہ ۲۰۷**) نیز، جمہور محدثین نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، جیسا کہ حوالے اوپر گزر چکے۔ لہٰذا خود علی زئی کے اصول 'جمہور کے مقابلہ میں بعض اشخاص کی بات مردود ہوتی ہے، **مقالات: جلد۶: صفحہ ۱۴۳**' سے خود ان کا اعتراض مردود ہے۔

یعنی جس طرح ہم کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کو معراج جسمانی ہوئی تھی یعنی آپ ﷺ اپنے دنیاوی جسم کے ساتھ معراج تشریف لے گئے تھے، بالکل اسی طرح جب ہم کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کو دنیاوی حیات حاصل ہے، اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ دنیاوالے جسم کے ساتھ ہی آپ ﷺ اپنے روضہ میں حیات ہیں۔ **(تسکین الاذکیاء: صفحہ ۳۷۰)**

اور یہ بات حدیث سے ثابت ہے، جیسا کہ گزر چکا۔

دلیل نمبر ۵ :

امام ابو شیخؒ **(م ۳۶۹ھ)** فرماتے ہیں کہ:

حَدثَنَا عبد الرَّحْمَن بن أَحْمد الْأَعْرَج حَدثنَا الْحسن بن الصَّباح حَدثنَا أَبُو مُعَاوِيَة حَدثنَا الْأَعْمَش عَن أبي صَالح عَن أبي هُرَيْرَة رَضِي الله عَنهُ قَالَ قَالَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم من صلى على عِنْد قَبْرِي سمعته وَمن صلى عَليّ من بعيد أعلمته۔

جس نے میری قبر کے پاس درود پڑھا، تو میں اسے خود سنتا ہوں اور جس نے مجھ پر درود دور سے پڑھا، تو وہ (فرشتوں کے ذریعہ) مجھے بتلایا جاتا ہے۔ **(کتاب الثواب للإمام ابی الشیخ، و کتاب الصلاۃ علی النبی ﷺ للإمام ابی الشیخ** بحوالہ **جلاء الافہام لابن القیمؒ: صفحہ ۶۴، سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ: جلد ۱: صفحہ ۳۶۷)** اس سند کو حافظ ابن حجرؒ، علامہ سخاویؒ، محدث ابن العراق الکنانیؒ، ملا علی قاریؒ نے مضبوط قرار دیا ہے۔ **(فتح الباری: جلد ۶: صفحہ ۴۸۸، القول البدیع: صفحہ ۱۶۰، تنزیہ الشریعہ: جلد ۱: صفحہ ۳۳۵، مرقاۃ: جلد ۲: صفحہ ۷۴۹)**[7]

---

[7] **اعتراض نمبر ۱:**

زبیر علی زئی صاحب اور البانی صاحب کا کہنا ہے کہ اس کی سند میں عبد الرحمن بن احمد الاعرجؒ **(م ۳۰۰ھ)** مجہول الحال ہیں۔ **(مقالات: جلد ۱: صفحہ ۲۵، سلسلہ احادیث ضعیفہ: جلد ۱: صفحہ ۳۶۷)**

الجواب:

حافظ ابن حجرؒ **(م ۸۵۲ھ)** حافظ سخاویؒ **(م ۹۰۲ھ)** محدث بن العزاق الکنانیؒ **(م ۹۶۳ھ)** محدث ملا علی قاریؒ **(م ۱۰۱۴ھ)** نے مضبوط قرار دیا ہے، جس کے حوالے گزر چکے، اور کسی حدیث کی تصحیح و تحسین، خود زبیر صاحب کے نزدیک اس حدیث کے ہر ہر راوی کی توثیق ہوتی ہے۔ **(مقالات: جلد ۲: صفحہ ۱۱۱)**، پھر علی زئی صاحب نے یہ بھی کہا کہ البانی صاحب نے بھی یہ اصول اخیر عمر میں اختیار کیا تھا۔ **(ویڈیو: حافظ زبیر علی زئی سے ۸۰ سوالات، ۱۰ امنٹ: ۳۵ سیکنڈ)** لہذا خود علی زئی صاحب اور البانی صاحب کے اپنے اصول سے ان کا اعتراض باطل و مردود ہے۔

اعتراض نمبر ۲:

دلیل نمبر ٦ :

امام ابویعلیٰ موصلیؒ (م ۳۰۷ھ) فرماتے ہیں کہ:

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عِيسَى، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ أَبِي صَخْرٍ، أَنَّ سَعِيدًا الْمَقْبُرِيَّ، أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: " وَالَّذِي نَفْسُ أَبِي الْقَاسِمِ بِيَدِهِ لَيَنْزِلَنَّ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ إِمَامًا مُقْسِطًا وَحَكَمًا عَدْلًا، فَلَيَكْسِرَنَّ الصَّلِيبَ، وَلَيَقْتُلَنَّ الْخِنْزِيرَ، وَلَيُصْلِحَنَّ ذَاتَ الْبَيْنِ، وَلَيُذْهِبَنَّ الشَّحْنَاءَ، وَلَيُعْرَضَنَّ عَلَيْهِ الْمَالُ فَلَا يَقْبَلُهُ، ثُمَّ لَئِنْ قَامَ عَلَى قَبْرِي فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ لَأُجِيبَنَّهُ۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا کہ اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں ابو القاسم کی جان ہے، عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ضرور امام، منصف اور عادل حاکم بن کر نازل ہوں گے۔۔۔۔۔پھر اگر وہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) میری قبر پر کھڑے ہو کر کہیں: اے محمد ﷺ، تو میں ضرور جواب دوں گا۔ (**مسند ابی یعلیٰ: جلد ۱۱: صفحہ ۴۶۲، حدیث نمبر ۶۵۸۴**، مسند ابی یعلیٰ کے محقق، شیخ حسین سلیم اسد نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے، حافظ ہیثمیؒ نے اس کے رجال کو صحیح کے رجال کہا ہے، **مجمع الزوائد: حدیث نمبر ۱۳۸۱۳**، شیخ البانی بھی اس حدیث کو صحیح مانتے ہیں، **سلسلہ الاحادیث الصحیحہ: جلد ٦: صفحہ ۵۲۴**)[8]

الغرض یہ تمام دلائل سے صاف طور سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ اپنے روضہ مبارک میں دنیاوی جسم کے ساتھ حیات ہے، اور جب کوئی بندہ آپ ﷺ کے قبر کے پاس کھڑا ہو کر سلام عرض کرتا ہے، تو آپ ﷺ اسے بذات خود سنتے ہیں۔

علی زئی صاحب کہتے ہیں کہ اس روایت میں اعمشؒ مدلس ہے۔ (**مقالات: جلد ۱: صفحہ ۲٦**)

الجواب:

امام اعمشؒ کی عنعن والی روایت، جمہور محدثین کے نزدیک مقبول ہے۔ (**الاجماع: شمارہ نمبر ۳: صفحہ ۲۳۸**)، پھر یہی امام اعمشؒ کی 'عنعن' والی روایت کو حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، حافظ سخاویؒ، وغیرہ نے مضبوط کہا ہے۔ لہذا راجح یہی ہے کہ ان کی عن والی روایت کو جمہور کے نزدیک مقبول ہیں۔ نیز، دلیل نمبر ٦ میں آنے والی روایت امام اعمشؒ کی روایت کی قوی تابع ہے، اور زبیر علی زئی صاحب ہی لکھتے ہیں کہ 'محدث راوی کی اگر معتبر متابعت یا قوی شاہد مل جائے، تو تدلیس کا الزام ختم ہو جاتا ہے'۔ (**نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام: صفحہ ۳۷**)، اس لحاظ سے بھی یہ روایت پر امام اعمشؒ کی تدلیس کا اعتراض فضول اور بیکار ہے۔

[8] اس حدیث پر زبیر علی زئی کا اعتراض مردود ہے، جس کی تفصیل اگلے شمارے میں آئے گی۔

لہذا بعض جاہل اور ناواقف اہل حدیثوں کا یہ کہنا کہ نبی ﷺ کو روضہ میں حیات ماننا کفریہ اور شرکیہ عقیدہ ہے، محض باطل اور مردود ہے۔

اور نہ انبیاء کا اپنے قبروں میں حیات رہنا قرآن کے خلاف ہے، اور نہ ہی یہ واقعہ قرآن کے خلاف ہے، جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔

اعتراض نمبر "۳" کا جواب:

شیخ احمد رفاعیؒ کے واقعہ پر غیر مقلدین اور اہل حدیث حضرات کا یہ اعتراض 'صحابہ کرامؓ کے لئے نبی ﷺ کا ہاتھ نہیں نکلا، تو شیخ احمد رفاعیؒ کے لئے کیسے نکل سکتا ہے؟' دراصل منکرین حدیث سے چرایا ہوا اعتراض ہے۔

منکرین حدیث بھی حضور ﷺ کی احادیث کا انکار کرنے کیلئے یہی اعتراض کرتے ہیں، مثلا: خود غیر مقلدین کے حافظ محمد گوندلوی صاحب اعتراض نقل کرتے ہیں کہ:

(صحیح بخاری کی حدیث میں) جابر بن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ مسجدِ نبوی میں ایک درخت تھا، جس کے پاس کھڑے ہو کر حضور ﷺ وعظ فرمایا کرتے تھے، پھر جس روز منبر تیار ہو گیا اور آپ منبر پر چڑھ کر وعظ کہنے لگے، تو اس درخت نے رونا شروع کر دیا۔

اس درخت کے نوحہ کی صدا اس اونٹنی کی طرح تھی، جس کا بچہ مر جائے، ہم یہ آواز سن رہے تھے، حضور ﷺ منبر سے اترے، اس درخت پر ہاتھ پھیرا اور وہ چپ ہو گیا۔

اگر آپ کہیں کہ معجزہ تھا، تو پھر رسول نے کفار کو معجزہ دکھانے سے کیوں انکار کیا تھا؟

هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا۔

اور مسلمانوں کے سامنے معجزہ دکھانے کی کیا ضرورت تھی، وہ تو پہلے ہی ایمان لا چکے تھے؟ **(دوامِ حدیث: جلد ۲: صفحہ ۴۹۳-۴۹۴)**

قارئین! آپ نے دیکھا کہ یہ طرز مسلمانوں کا نہیں ہے، بلکہ منکرینِ حدیث کا ہے، یعنی جس طرح منکرین حدیث حضور ﷺ کی احادیثِ مبارکہ پر اعتراض کر کے، آپ ﷺ کے معجزات کا انکار کرتے ہیں، بالکل اسی طرح نام نہاد اہل حدیث غیر مقلدین بھی سلف اور اولیاء اللہ کی کرامات پر اعتراض کر کے اولیاء کرام کے کرامات کا انکار کر رہے ہیں۔

تحقیقی جواب: (کچھ عادت اور خرق عادت کے بارمیں)

اصل میں موجودہ جاہل اور اندھے غیر مقلد، اہل حدیث مبلغین کو عادت اور خرق عادت میں فرق ہی نہیں پتا۔ عادت تو وہ امور اور واقعات ہیں، جو انسان کی سوچ کے مطابق ہوتے ہیں، ہر وقت اور ہر گھڑی انسان انجام دے سکتا ہے۔ مثلاً آدمی کا زمین پر چلنا وغیرہ۔

خرقِ عادت امور، عادت کے بر خلاف ہوتے ہیں، چنانچہ:

اہل حدیثوں کے مولانا عبد الرحمن کیلانی صاحب لکھتے ہیں کہ بعض دفعہ ایسے واقعات ظہور پذیر، جن کا نہ تو بعد میں اعادہ (ہونا) ہوا، نہ ہی انسان اس کی کنہ تک پہنچ سکا، لہٰذا بعد میں آنے والے انسان نے ان کا انکار کر دیا۔

ایسے واقعات ہی خرقِ عادت امور کہلاتے ہیں۔

اگر ان واقعات کا تعلق کسی نبی سے ہو، تو یہ معجزہ کہلاتا ہے۔ (اور ان واقعات کا تعلق کسی صحیح العقیدہ اور صالح اعمال والے انسان سے ہو، تو کرامات کہلاتے ہیں، جیسا کہ غیر مقلد شیخ عبد الہادی عبد الخالق المدنی کہتے ہیں۔ **کراماتِ اولیاء: صفحہ ۸)**

آگے کیلانی صاحب کہتے ہیں کہ یہ محض اللہ کی قدرت سے ظہور پزیر ہوتا ہے۔ ان (خرقِ عادت امور) کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے اور نسبت بھی اسی طرف ہوتی ہے۔ **(عقل پرستی اور انکارِ معجزات: صفحہ ۴۵)** معلوم ہوا کہ عادت اور خرقِ عادت دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

خرقِ عادت امور نہ انسان کے بس میں ہوتے ہیں اور نہ وہ اس کی سمجھ آتے ہیں، اسی طرح خرقِ عادت امور نہ ہر وقت ہوتے ہیں نہ ہی انسان اس کی طاقت رکھتا ہے، بلکہ خرقِ عادت امور کا ذمہ دار اور خالق صرف اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔[9] اس کی کچھ مثالیں اور دلائل کتاب و سنت سے ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ معراج کے سفر سے واپسی کے بعد، نبی ﷺ نے معراج کے واقعہ کی تفصیل بیان فرمائی، تو مشرکین نے نبی ﷺ کی تکذیب کی، تو اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو نبی ﷺ کے سامنے دکھا دیا، جس کو دیکھ کر نبی ﷺ مشرکین کو بیت المقدس کی نشانیاں بیان فرما رہے تھے۔ **(صحیح بخاری: حدیث نمبر ۴۷۱۰، ۳۸۸۶)**

---

[9] جیسا کہ کیلانی صاحب کے حوالے سے ظاہر ہے۔

اس کے برخلاف ۶ھ میں صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جب حضرت عثمان بن عفانؓ کی شہادت کی افواہ ہوئی، جس کی اطلاع ملنے پر نبی ﷺ نے تقریباً ۱۴۰۰ صحابہ کرام سے درخت کے نیچے عثمانؓ کی شہادت کا بدلہ لینے پر بیعت فرمائی۔(**الرحیق المختوم: صفحہ ۴۶۵، دلائل النبوۃ: جلد ۴: صفحہ ۹۸**) لیکن یہاں اس موقعہ پر بیت المقدس کی طرح یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ عثمانؓ کی شہادت افواہ ہے اور حضرت عثمان باحیات ہیں، حالانکہ معاملہ جنگ تک پہنچ گیا تھا اور ۱۴۰۰ افراد سے بیعت بھی لی گئی۔

ان واقعات سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ خرقِ عادت امور کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ ہی ہے، وہ جب چاہے، جہاں چاہے اور جس پر چاہے خرقِ عادت امور ظاہر کر سکتا ہے، اور جب نہ چاہیں تو بالکل بھی ظاہر نہیں کرتا۔

ان امور کا ذمہ دار بندہ نہیں، بلکہ اللہ ہے۔

۲۔ اسی طرح ایک موقعہ پر نبی ﷺ نے برتن میں اپنے ہاتھ مبارک رکھ دیا، تو آپ ﷺ کی مبارک انگلیوں کے بیچ میں سے پانی بہنے لگا، یہاں تک کہ اتنا پانی نکلا کہ اس پانی سے تمام صحابہؓ نے وضو کیا۔(**سنن ترمذی: حدیث نمبر ۳۶۳۳**، امام ترمذیؒ نے حسن صحیح کہا ہے)، بلکہ صحیح بخاری میں تصریح ہے کہ اس پانی سے ۱۴۰۰ صحابہؓ نے وضو کیا اور پھر پیا بھی۔(**صحیح بخاری: حدیث نمبر ۵۶۳۹**)

دوسری طرف ایک بار حضور ﷺ بھوک کی شدت کی وجہ سے باہر نکل گئے، تو راستہ میں ابو بکرؓ ملے، حضور ﷺ نے باہر نکلنے کی وجہ پوچھی: تو ابو بکرؓ نے جواب دیا کہ بھوک یا رسول اللہ ﷺ، حضرت عمرؓ ملے تو حضور ﷺ نے ان سے بھی پوچھا، عمرؓ نے جواب دیا کہ بھوک! یا رسول اللہ ﷺ۔(**المستدرک للحاکم: جلد ۴: صفحہ ۱۴۵، امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے اسے صحیح کہا ہے**) لیکن یہاں انگلیوں سے پانی ظاہر ہوا، تاکہ آپ ﷺ اور ان کے صحابہ شکم سیر ہو سکیں۔

۳۔ ام سلمہؓ کے پاس نبی ﷺ کے بال مبارک تھے، جس کے ذریعہ وہ لوگوں کی بیماری کا علاج کرتی تھی۔(**صحیح بخاری: حدیث نمبر ۵۸۹۶**)، دوسری طرف صاحب بال نبی ﷺ کو خیبر کے موقعہ پر زہر دیا گیا، جس کا اثر حضور ﷺ نے وفات تک محسوس کیا ہے۔(**صحیح بخاری: حدیث نمبر ۴۴۲۸، ۵۷۷۷**)

لیکن یہاں پر بالِ مبارک سے شفاء کا اثر خود حضور ﷺ پر کیوں نہیں ہوا۔

۴ — حضور ﷺ نے حنین کے موقعہ پر ایک شخص کے سینہ پر ہاتھ رکھا اور دعاء کی، تو وہ شخص مسلمان ہو گیا[10]، لیکن ابو طالب کے انتقال کے وقت بھرپور کوشش فرمائی، کہ آپ مسلمان ہو جائیں، یہاں تک کہ اپنے چچا سے کلمہ پڑھنے تک کی فرمائش کی اور دعاء بھی کرتے رہے، لیکن آپ مسلمان نہیں ہوئے؟ **(تفسیر ابن کثیر مترجم: جلد ۴: صفحہ ۵۵۳، طبعہ دار السلام)**

آخر کیوں؟

۵ — انتقال کے وقت حضرت ابو بکر صدیقؓ کو معلوم ہو چکا تھا کہ ان کی اہلیہ کے پیٹ میں لڑکی کا حمل ہے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ میرے وارث تمہارے علاوہ تمہارے ۲ بھائی اور ۲ بہنیں ہیں (حالانکہ اس وقت حضرت عائشہؓ کی صرف ایک بہن حضرت اسماءؓ تھی) اور بعد میں ان کی اہلیہ بنت خارجہ کو لڑکی ام کلثومؓ پیدا ہوئیں۔ **(طبقاتِ ابن سعد: جلد ۳: صفحہ ۱۹۵)**

اسی طرح حضرت ابو بکرؓ کو اپنی موت کی خبر ہو چکی تھی، چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں مجھ سے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے پوچھا: اللہ کے نبی ﷺ کس دن فوت ہوئے؟ تو میں نے عرض کیا پیر کے دن فوت ہوئے۔

ابو بکر صدیقؓ نے پھر فرمایا: آج کونسا دن؟

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: آج پیر کا دن۔

بس آج کے دن مجھے امید ہے میں فوت ہو جاؤں گا۔ **(صحیح بخاری: حدیث نمبر ۱۳۸۷)**

لیکن جب حضرت عائشہؓ پر بہتان لگایا گیا، تو ابو بکر صدیقؓ کو یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ حضرت عائشہؓ پر تہمت بے بنیاد اور غلط ہے۔

۶ — مدینہ میں موجود عمرؓ پر دور دراز جنگ کے میدان کے حالات ظاہر ہو گئے اور آپؓ مدینہ سے اپنے سپہ سالار حضرت ساریہؓ کو آواز دی، کہ اے ساریہ! پہاڑ پہاڑ ہے۔ **(دلائل النبوۃ: جلد ۶: صفحہ ۳۷۰**، واسنادہ صحیح، محمد بن عجلانؒ نے سماع کی تصریح کر رکھی ہے) لیکن شہادت کے دن، حضرت عمرؓ کو یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ پیچھے سے ان پر حملہ ہونے والا ہے۔

---

[10] **(المعجم الکبیر للطبرانی: جلد ۷: ۲۹۸، حدیث نمبر ۷۱۹۱**، اس سند میں ایوب بن جابرؒ راجح قول میں ضعیف ہیں، لیکن اگلی حدیث، **حدیث نمبر ۷۱۹۲** میں عبد اللہ بن مبارکؒ **(م ۱۸۱ھ)** (حافظ ثقہ) آپ کے متابع میں موجود ہیں، لہذا اس روایت میں ایوب بن جابر پر کلام فضول اور بیکار ہے۔ نیز، باقی تمام روات ثقہ ہیں، اور شیبہ بن عثمانؓ کے بیٹے بھی صحابی رسول ہیں، **الاصابہ لابن حجر: جلد ۶: صفحہ ۹۷، معرفۃ الصحابہ: جلد ۵: صفحہ ۲۵۵۷**، نیز دیکھئے **الجزء المتمم لطبقات ابن سعد: صفحہ ۲۵۶)**

اور بھی کئی مثالیں دی جاسکتی ہیں، مثلاً جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما رہے تھے، تو مشرکین کے اعلان کئے ہوئے انعام کی لالچ میں سراقہ حضور ﷺ کی تلاش میں نکلے اور جب انہوں نے حضور ﷺ کو پالیا اور آپ کو پکڑنا چاہا، تو سراقہ کے گھوڑے کے پیر زمین میں دھنس گئے اور وہ ناکام ہوئے۔(**سیرت النبی ﷺ : از شبلیؒ: جلد ا: صفحہ ۱۸۳**) لیکن غزوہ احد میں نبی ﷺ کو مشرکین نے تکلیف دینا چاہی، تو وہ کامیاب ہوئے اور حضور ﷺ کو کافی چوٹ آئی، لیکن وہاں پر سراقہ جیسا معاملہ نہیں ہوئی تھی۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے غسل کے طریقہ کے سلسلہ میں جب صحابہ کرام میں اختلاف ہوا، تو حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سب پر نیند طاری ہوگئی اور گھر کے ایک کونے سے غیبی آواز آئی کہ حضور ﷺ کو کپڑے کے ساتھ غسل دو اور اس طرح اس غیبی آواز سے صحابہ کا اختلاف ختم ہو گیا۔(**وفات النبی ﷺ للنسائی: صفحہ ۱۳۱ - ۱۳۲**، غیر مقلد عالم غلام مصطفی ظہیر نے اس کی سند کو صحیح تسلیم کیا ہے)، لیکن جب حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ میں اختلاف ہوا تو اس وقت کیوں ایسی غیبی آواز نہیں آئی؟

نیز، یمن سے ابرہہ جب کعبہ کو ڈھانے کیلئے آیا تھا، تو ابابیل کے ذریعہ کعبہ کی حفاظت کی گئی، لیکن **۳۱۷ھ** میں جب ابو طاہر القرامطی نے کعبہ پر قبضہ کر لیا تھا، تو اس وقت ابابیل کیوں نہیں آئے؟ حالانکہ ابو طاہر القرامطی نے کعبہ سے حجر اسود نکال لیا اور اپنے ساتھ بحرین لے گیا اور ۲۲ سال تک اپنے پاس ہی رکھا اور **۳۳۹ھ** میں اسے واپس کیا اور تاریخ میں پہلی بار ان ۲۲ سالوں میں کسی نے بھی حج نہیں کیا۔ (**تاریخ الاسلام للذہبی: جلد ۷: صفحہ ۲۱۷، البدایہ النہایہ: جلد ۱۱: صفحہ ۱۶۰**)

الغرض ان دلائل اور مثالوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خرقِ عادت امور کے ذمہ دار اللہ تعالیٰ ہیں، وہ جب چاہیں، جہاں چاہیں، جس پر چاہیں، اپنے ان خرقِ عادت امور کو ظاہر کر دیتے ہیں۔

لہٰذا اگر کسی نبی پر ظاہر کریں، تو اسے معجزہ کہتے ہیں اور کسی غیر نبی پر ظاہر کریں، تو اسے کرامت کہتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ اپنی مرضی وقدرت سے، کبھی کسی خرقِ عادت امور کو کسی چھوٹے درجہ والے پر ظاہر کرتے ہیں اور بڑے درجہ کو محروم فرما دیتے ہیں، **اس پر کتاب وسنت سے کچھ مثالیں اور دلائل ملاحظہ فرمائیے:**

۱ — خبیبؓ کو مکہ میں غیبی انگور مل رہے ہیں اور وہ اسے کھا رہے ہیں، حالانکہ اس زمانہ میں مکہ میں یہ پھل موجود ہی نہیں تھے۔(**صحیح بخاری: حدیث نمبر ۳۰۴۵**) لیکن سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دینے والا ساتواں آدمی تھا، اور اس وقت ہمارے پاس کھانے کیلئے صرف پتے وغیرہ ہوتے تھے۔(**مسند حمیدی: حدیث نمبر ۷۸**، واسنادہ صحیح)

دیکھیے رسول اللہ ﷺ اور دیگر صحابہ کرامؓ پتے کھانے پر مجبور ہیں، لیکن خبیبؓ کو غیبی انگور مل رہے ہیں۔

۲ – ام اویس البھزیہؓ کے گھی کے ڈبہ پر حضور ﷺ نے برکت کی دعاء فرمائی، تو آپؓ نے اس ڈبہ سے حضور ﷺ کی وفات کے بعد، حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے دور تک گھی کھاتی رہیں۔[11]

لیکن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ ﷺ کے کھانے، روٹی اور گوشت میں اتنی برکت ہوئی کہ آپ ﷺ اور اہل بیت اس سے مہینوں کھاتے رہیں، بلکہ الٹا معتبر روایت میں موجود ہے کہ مہمانوں کے علاوہ، رسول اللہ ﷺ نے کبھی ایک ساتھ ۲ وقت میں (رات اور دن میں) کھانا گوشت روٹی نہیں کھایا۔ (**شعب الایمان للبیھقی: جلد ۳: صفحہ ۵۸، حدیث نمبر ۱۳۸۹**، واسنادہ حسن)

۳– خالد بن الولیدؓ کے سامنے زہر کا پیالا لایا گیا، تو انہوں نے بسم اللہ پڑھ زہر کو منہ میں ڈالا اور نگل گئے، اور انہیں ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا۔ (**المعجم الکبیر للطبرانی: جلد ۴: صفحہ ۱۰۶، حدیث نمبر ۳۸۱۰**، واسنادہ صحیح متصل، **مجمع الزوائد: حدیث نمبر ۱۵۸۸۴**)، لیکن حضور ﷺ پر زہر کا اثر ہوگیا۔ (**صحیح بخاری: حدیث نمبر ۴۴۲۸، ۵۷۷۷**)

لہٰذا اس سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ **اللہ تعالیٰ ہی خرقِ عادت امور کا ذمہ دار ہے اور وہ چاہے تو کسی خرقِ عادت امور کو کوئی چھوٹے درجہ کے بندہ پر ظاہر کر کے، بڑے درجہ بندہ کو محروم کر سکتا ہے۔**

۴ – ہجرت کے وقت ام شریکؓ کو شدید پیاس محسوس ہوئی انہوں نے ایک یہودی سے پانی مانگا، لیکن اس نے نہیں دیا، پھر آپؓ کو نیند آگئی، خواب میں آپؓ نے پانی پیا، جب آپؓ بیدار ہوئیں تو بالکل سیر اب تھیں۔[12]

---

[11] (**المعجم الکبیر للطبرانی: جلد ۲۵: صفحہ ۱۵۱**، واسنادہ حسن، **معرفۃ الصحابہ لابی نعیم: جلد ۶: صفحہ ۳۴۷۱**) المعجم الکبیر للطبرانی کی سند میں اسمہ بن سلیمان الخزازؒ ہے، جن کے بارے میں امام ابو حاتمؒ نے کہا کہ آپ میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ (**تاریخ الاسلام: جلد ۵: صفحہ ۳۹۷**)، لہٰذا آپؒ ثقہ ہیں اسی طرح اویس بن خالدؒ بھی موجود ہیں، جن کو اویس بن ابی اویس بھی کہتے ہیں، آپؒ کو امام ابن حبانؒ نے ثقات میں شمار کیا ہے، حافظ ہیثمیؒ نے ثقہ بتلایا ہے، امام ترمذیؒ نے آپ کی روایت کو حسن کہا ہے۔ (**کتاب الثقات لابن حبان: جلد ۴: صفحہ ۴۴، مجمع الزوائد: حدیث نمبر ۱۴۱۲۸، سنن ترمذی: حدیث نمبر ۳۱۸۷**)، کسی حدیث کی تصحیح و تحسین، غیر مقلدین کے نزدیک اس حدیث کے ہر ہر راوی کی توثیق ہوتی ہے۔ (**الاجماع: شمارہ ۴: صفحہ ۲**) معلوم ہوا کہ امام ترمذیؒ کے نزدیک اویس بن خالدؒ ثقہ ہیں۔ اسی طرح امام ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) باوجود آپ کا علم رکھنے کے (**الکامل: جلد ۶: صفحہ ۳۴۱**) آپ کا ترجمہ الکامل میں ذکر نہیں کیا، اور یہ غیر مقلدین کے نزدیک، امام ابن عدیؒ کی طرف سے توثیق ہوتی ہے۔ (**انوار البدر: صفحہ ۲۲۴- ۲۲۵**)، ثابت ہوا کہ ابن عدیؒ کے نزدیک آپ ثقہ ہیں۔

[12] (**معجزات النبی ﷺ لابن کثیر: صفحہ ۷۸، معرفۃ الصحابہ لابی نعیم: جلد ۶: صفحہ ۳۵۱۹**، واسنادہ حسن بالشواہد، **کرامات الاولیاء للالکائی: صفحہ ۱۷۹، طبقات ابن سعد: جلد ۸: صفحہ ۱۵۷، سیر ابن اسحاق: صفحہ ۲۸۴**) معرفۃ الصحابہ لابی نعیم کی سند میں احمد بن عبد الجبار العطاردیؒ (م ۲۷۲ھ) ہیں، جو کہ جمہور کے نزدیک ثقہ ہیں۔ (**تہذیب التہذیب: جلد ۱: صفحہ ۵۲، اکمال تہذیب الکمال: جلد ۱: صفحہ ۷۲**) پھر عبد الجبار العطاردیؒ، یونس بن بکیرؒ سے مغازی کی روایت میں صدوق ہیں۔ (سیر

اس روایت میں صحابیہ ام شریک نے خواب میں پانی پیا، بیداری میں وہ بالکل سیراب ہو چکی تھیں، لیکن یہ واقعہ نبی ﷺ کے ساتھ نہیں ہوا حالانکہ آپ ﷺ کے گھر میں ۳، ۳ مہینہ تک چولا نہیں جلتا تھا۔ (**صحیح البخاری: حدیث نمبر ۲۵۶۳**) اور کبھی آپ ﷺ بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے۔ (**الاسماء والکنیٰ للدولابی: جلد ۱: صفحہ ۲۱۲، حدیث نمبر ۳۸۹**، واسنادہ صحیح)

۵ – فرعون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی حفاظت کے لئے، سمندر کو پھاڑ کر راستہ بنایا گیا، لیکن ابو مسلم خولانیؒ دریائے درجلہ کے طوفانی پانی پر ایسے چلنے لگے، جیسا کہ وہ زمین پر چلتے ہیں۔ (**دلائل النبوۃ: جلد ۶: صفحہ ۵۴**، امام بیہقیؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے)، سوال یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے لئے ایسا معاملہ کیوں نہیں کیا گیا، جیسا ابو مسلمؒ کے لئے کیا گیا؟

۶ – محمد بن منصور الطوسیؒ (**م ۲۵۶ھ**) کو معروف کرخیؒ (**م ۲۰۰ھ**) کی آستین سے غیبی پھل ملا تھا، جس کے بارے میں محمد بن منصورؒ کہتے ہیں کہ جب میں نے اسے کھایا، تو اس میں ہر قسم کے کھانے کا مزا محسوس ہوا، اور اس کو کھانے کے بعد مجھے پانی پینے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی، مزید کہتے ہیں کہ اس پھل کے کھانے کے بعد، جب بھی میں نے کوئی میٹھی یا کھاری چیز کھائی، اس میں اس پھل کا مزہ پایا۔ (**تاریخ بغداد: جلد ۴: صفحہ ۱۳**، واسنادہ حسن)[13] لیکن باوجود شدید بھوک اور پیاس کے، حضور ﷺ کو کبھی ایسے غیبی پھل آستین میں سے نہیں ملا۔

۷ – حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ۲ صحابہؓ اندھیری رات کے اندر حضور ﷺ کے پاس سے نکلے اور ان کے سامنے نور چمک رہا تھا، وہ دونوں صحابہؓ چلے تو وہ نور بھی (ان کے) ساتھ (چل) رہا (تھا)، جب جدا ہوئے تو نور بھی ان کے ساتھ جدا ہو گیا۔ (**صحیح بخاری: حدیث نمبر ۴۶۵**)

اعلام النبلاء: جلد ۱۳: صفحہ ۵۷، تاریخ بغداد للخطیب، وغیرہ) اور یہ روایت بھی یونس بن بکیرؒ سے ہی مروی ہے، لہٰذا اس روایت میں ان پر جرح مردود ہے، اسی طرح ابونعیم کی سند میں عبد الاعلیٰ بن ابی مساور پر بھی جرح بیکار ہے، اس لئے کہ کرامات الاولیاء للالکائی میں (**ثقہ، مضبوط**) امام یحییٰ بن سعید الانصاریؒ (**م ۱۴۴ھ**) (**تقریب: رقم ۷۵۵۹**) عبد الاعلیٰ کے متابع میں موجود ہے، جس کا حوالہ پہلے گزر چکا، لہٰذا متابع کی وجہ سے معرفۃ الصحابہ لابی نعیم والی سند حسن درجہ کی ہے۔

[13] اس سند کے تمام رواۃ ثقہ ہیں، اور اس میں عثمان بن سعید ابوسعید الصوفیؒ (**م ۲۹۷ھ**) بھی موجود ہے، جو کہ مقبول راوی ہیں، ان کی روایتوں سے امام خطیب بغدادیؒ اور امام بوعبد الرحمن السلمیؒ نے دلیل پکڑی ہے۔ (**الزھد والرقاق للخطیب: صفحہ ۱۰۵، الفتوۃ لأبی عبدالرحمن محمدبن الحسین السلمی: صفحہ ۵۳**) اور یعنی ان دونوں حضرات نے بذریعہ استدلال ان کی روایت کو صحیح کہا ہے اور کسی حدیث کی تصحیح و تحسین اس حدیث کے ہر ہر راوی کی توثیق ہوتی ہے، جیسا کہ اہل حدیث حضرات نے ان اصولوں کی وضاحت کی ہے۔ (**دیکھئے ص: ۱۹**) اس لحاظ سے امام خطیب البغدادیؒ اور امام ابوعبد الرحمن سلمیؒ ثقہ ہے۔

دیکھئے، یہاں پر صحابہؓ کے لئے اندھیری رات میں چلنے اور راستہ کے لئے ایک غیبی نور منکشف ہو گیا، لیکن دوسری طرف حضور ﷺ مرض الوفاۃ میں ہیں، رات کا وقت اور روشنی کی ضرورت بھی ہے، لیکن گھر میں چراغ جلانے کیلئے تیل تک نہیں تھا اور حضرت عائشہؓ ایک خاتون کے پاس چراغ بھیجیں کہ حضور ﷺ کی طبیعت بہت خراب ہے، وہ کچھ گھی ڈال دیں کہ اس کو جلائیں۔[14]

ایسی حالت میں حضور ﷺ کے لئے کیوں وہ نور غیبی منکشف نہیں ہوا، جو صحابہ کیلئے ہوا تھا؟

۸ – ایک صحابی ابو قرصافہؓ کے بیٹے کو جب رومیوں نے قید کر لیا، تو جب بھی کسی نماز کا وقت آتا، تو ابو قرصافہؓ عسقلان (جو کہ مصر میں ہے، اس) کی دیوار پر چڑھ کر یہ آواز لگاتے: ' اے بیٹے! نماز پڑھ لو! تو ان کے بیٹا جو روم (اٹلی) میں موجود تھے، یہ آواز کو سن لیتے۔ **(المعجم الکبیر للطبرانی: جلد ۳: صفحہ ۱۹، حدیث نمبر ۲۵۲۳)**[15]

دیکھئے! یہاں تو صحابیٔ رسول کے بیٹے کی نماز کی حفاظت کی جا رہی ہے اور انہیں نماز کے لئے آواز لگائی جا رہی ہے، لیکن غزوہ خندق کے موقعہ پر نبی ﷺ کی نمازیں قضاء ہوئیں۔ (**صحیح بخاری: حدیث نمبر ۲۹۳۱**) پر آپ ﷺ کی نماز کی حفاظت لئے ایسا انتظام کیوں نہیں کیا گیا؟

۹ – صحیح بخاری کو پڑھنے سے مصیبت، تکلیف، برے وقت وغیرہ دور ہوتے ہیں اور حاجت بھی پوری ہوتی ہے، یہاں تک کہ بارش کی ضرورت کے وقت، بیماری، قحط سالی اور خوفِ دشمن کو دور کرنے کے لئے صحیح بخاری کی تلاوت مؤثر ہے اور اس کی قرآت سے یہ تمام چیزیں دور ہوتی ہیں۔ (**فتح الباری: جلد ۱: صفحہ ۱۳، البدایہ والنہایہ: جلد ۱۴: صفحہ ۵۲۷، طبقات للسبکی: جلد ۲: صفحہ ۲۳۴، بستان المحدثین: صفحہ ۲۹۸**)

دیکھئے! ایک طرف صحیح بخاری کو پڑھنے سے جب یہ تمام فائدے ہیں، اور دوسری طرف رسول اللہ ﷺ تو خود ہی صاحبِ حدیث اور صاحب کلام ہیں، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ کو تکلیف، مصیبتیں، بیماری اور دشمن سے مقابلہ سب کچھ لگا ہوا تھا۔

---

[14] (**المعجم الکبیر للطبرانی: جلد ۶: صفحہ ۱۹۸، حدیث نمبر ۵۹۹۰**، حافظ منذریؒ فرماتے ہیں کہ اس کے روات ثقہ ہیں، حافظ ہیثمیؒ کا کہنا ہے کہ اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں، **الترغیب والترہیب للمنذری: جلد ۲ : صفحہ ۲۹، حدیث نمبر ۱۳۰۷، مجمع الزوائد: حدیث نمبر ۴۶۸۵**)

[15] اس کی سند میں ایوب بن علی بن ہیثمؒ بھی حافظ ہیثمیؒ نے ثقہ کہا ہے، ابن قطلوبغاؒ نے ثقات میں شمار کیا ہے، امام ابو حاتمؒ نے شیخ کہا ہے۔ (**مجمع الزوائد: حدیث نمبر ۱۶۰۷۷، کتاب الثقات للقاسم: جلد ۲: صفحہ ۴۸۴**)، ابن عدیؒ کے نزدیک بھی یہ راوی ثقہ ہیں۔ (**الکامل: جلد ۱: صفحہ ۹۱**) جیسا کے غیر مقلدین کا اصول ہے۔ (**انوار البدر: صفحہ ۲۲۳ – ۲۲۵**)، نیز باقی روات بھی ثقہ ہیں، جیسا کہ حافظ ہیثمیؒ نے کہا ہے۔

آپ ﷺ کو اپنے کلام مبارک وہ تمام فائدے حاصل کیوں نہیں ہوئے، جو صحیح بخاری سے لوگوں کو حاصل ہو رہے ہیں؟

۱۰ – **(ثقہ زاہد)** حجاج بن الفرافصہؒ ۱۱ دن تک نہ کچھ کھاتے، نہ پیتے اور نہ ہی سوتے تھے، بلکہ بھوکے رہتے تھے۔ **(المجالسة وجواهر العلم: جلد۸: صفحہ ۲۳۲**، واسنادہ حسن)[16]، اسی طرح عبد الرحمن بن ابی نعمؒ **(م ۱۰۱ھ)** **(ثقہ، عابد)** بھی ۱۵ دن تک کچھ بھی نہیں کھاتے تھے، اسی طرح ایک اور موقعہ پر جب ان کے کمرہ کو کھولا گیا، جس میں وہ پندرہ دن تک بند تھے، تو انہیں نماز پڑھتے پایا گیا۔ **(کتاب الثقات لابن حبان: جلد۵: صفحہ ۱۱۲، مصنف ابن ابی شیبہ: حدیث ۹۶۹۱**، واسنادہ حسن[17]، **حلیۃ الاولیاء: جلد۵: صفحہ ۶۹، المعرفۃ والتاریخ: جلد۲: صفحہ ۵۷۴، مختصر قیام اللیل: صفحہ ۶۵)**

دوسری طرف کئی دن ہوگئے، رسول اللہ ﷺ نے کچھ کھایا یہاں تک کہ بھوک کی وجہ سے بے چین ہو کر آپ ﷺ باہر تشریف لے آئے، ابو بکرؓ ملے، تو حضور ﷺ نے پوچھا: اے ابو بکر کس وجہ سے نکلے ہو؟ ابو بکرؓ نے جواب دیا: یارسول اللہ بھوک، پھر عمرؓ ملے، تو حضور ﷺ نے ان سے بھی وہی سوال کیا، تو انہوں نے بھی جواب یہی دیا کہ رسول اللہ ﷺ بھوک۔ **(صحیح مسلم: جلد۳: صفحہ ۱۶۰۹، حدیث نمبر ۲۰۳۸، شرح مشکل الآثار: جلد۱: صفحہ ۴۱۲، حدیث نمبر ۴۷۴)**

سوال یہ ہے کہ جس طرح حجاج بن الفرافصہؒ اور عبد الرحمن بن ابی نعمؒ **(م ۱۰۱ھ)** کو بھوک برداشت کرنے کی طاقت دی گئی، کہ وہ حضرات ۱۰، ۱۰ – ۱۵، ۱۵ دن تک بھوک برداشت کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ کو کیوں نہیں دی گئی؟

---

[16] اس سند میں ابراہیم بن نصر سے مراد ابراہیم بن نصر بن عبد العزیز، ابو اسحاق الرازیؒ ہیں، جو کہ ثقہ ہیں۔ **(تاریخ الاسلام: جلد۶: صفحہ ۵۱۱، کتاب الثقات للقاسم: جلد۲: صفحہ ۲۵۲)**، اسی طرح قبیصہ بن عقبہؒ **(م ۲۱۵ھ)** بھی ثقہ ہیں۔ **(تہذیب التہذیب: جلد۸: صفحہ ۳۴۹)** لہذا یہ سند حسن ہے۔

[17] اس کی سند میں بکیر بن عامرؒ جمہور ائمہ متقدمین کے نزدیک ثقہ حسن الحدیث ہیں، اور آپ میں کوئی حرج نہیں ہے، امام احمد بن حنبلؒ **(م ۲۴۱ھ)** کہتے ہیں کہ آپ صالح الحدیث ہیں اور آپ میں کوئی حرج نہیں ہے، امام ابن سعدؒ **(م ۲۳۰ھ)** کہتے ہیں کہ آپؒ ثقہ ہیں، ان شاء اللہ، امام عجلیؒ **(م ۲۶۱ھ)** نے فرمایا کہ آپؒ ثقہ ہیں، آپ میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام حاکمؒ **(م ۴۰۵ھ)** اور امام ذھبیؒ **(م ۷۴۸ھ)** نے بھی آپ کو ثقہ کہا ہے۔ نیز ذہبیؒ نے آپ کو **'من تکلم فیہ وھو موثق'** (صفحہ: ۵۵) میں شمار کیا ہے، اسی طرح امام ابو حاتمؒ **(م ۲۷۷ھ)** کہتے ہیں کہ بخاریؒ میرے نزدیک عیسیٰ بن المسیبؒ سے زیادہ مضبوط ہے، اور عیسیٰ کے بارے میں ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ وہ صدوق اور قوی نہیں ہیں، امام ابن حبانؒ **(م ۳۵۴ھ)** نے آپؒ کو کتاب الثقات میں شمار کیا ہے، حافظ بن عدیؒ **(م ۳۶۵ھ)** کہتے ہیں کہ ان کی روایتیں کم ہیں اور میں نے ان کی کوئی روایت منکر نہیں پائی، وہ ان میں سے ہیں، جن کی حدیثیں لکھی جاتی ہیں، امام ابن شاہینؒ **(م ۳۸۵ھ)** نے بھی آپ کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ امام مسلمؒ **(م ۲۶۱ھ)** نے آپ سے روایت لی ہے اور امام ابو داوٗدؒ **(م ۲۷۵ھ)** کہتے ہیں کہ آپؒ متروک نہیں ہیں، امام ابن خزیمہؒ **(م ۳۱۱ھ)** نے آپ کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔ **(تہذیب التہذیب: جلد۱: صفحہ ۴۹۱، اکمال تہذیب الکمال: جلد۳: صفحہ ۲۸ – ۲۹، المستدرک للحاکم مع تلخیص للذہبی: جلد۱: صفحہ ۲۷۵، حدیث نمبر ۶۰۴، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم: جلد۶: صفحہ ۲۸۸، صحیح ابن خزیمہ: حدیث نمبر ۱۸۷)**، لہذا آپؒ جمہور ائمہ متقدمین کے نزدیک ثقہ، صدوق اور حسن الحدیث ہے، نیز آپؒ کے کئی متابعات بھی موجود ہے، لہذا اس روایت میں آپ پر کلام مردود ہے۔

حالانکہ رسول اللہ ﷺ ان سے بڑے مقام اور مرتبہ والے تھے۔

الغرض کتاب وسنت کے ان دلائل سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مرضی قدرت سے، کسی خرقِ عادت امر کو کسی چھوٹے درجہ والے پر ظاہر کرتے ہیں اور بڑے درجہ والے کو محروم فرمادیتے ہیں۔

لہٰذا غیر مقلدین کا یہ سوال کہ حضور ﷺ کا ہاتھ صحابہ کیلئے کیوں نہیں نکلا، ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی کہے کہ:

۱۱- انبیاء علیہم السلام اور نبی ﷺ کو سردی، گرمی محسوس ہوتی تھی۔ (**شرح الشفاء: جلد ۲: صفحہ ۳۲۶**) لیکن خیبر کی جنگ کے بعد، حضرت علیؓ کو کبھی سردی، گرمی محسوس نہیں ہوئی۔ (**مجمع الزوائد: حدیث نمبر ۱۴۷۰۷**، حافظ ہیثمیؒ نے اس کی سند کو حسن کہا ہے)[18]

آخر کیوں؟

۱۲ - ہجرت کے موقعہ پر، ام ایمنؓ کو جب پیاس کی شدت محسوس ہوئی، تو آپ کے لئے آسمان سے پانی کا ڈول نازل ہوا[19]، لیکن ایسا نبی ﷺ کیلئے کیوں نہیں ہوا، جبکہ آپ ﷺ کو بھی ہجرت کے وقت بھوک اور پیاس محسوس ہوئی اور بعد میں حضور ﷺ کھانے پینے کے لئے، ام معبدؓ کے خیمہ میں تشریف لے گئے۔

اسی طرح،

۱۳ - ابو امامہؓ کو نیند میں پانی پلایا، تو آپؓ نے بیداری میں اپنے آپ کو سیراب پایا[20]، لیکن ایسا آپ ﷺ اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کیوں نہیں ہوا؟

---

[18] اس کی سند میں محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰؒ (**م ۱۴۸ھ**) ہیں، جن پر کلام ہے، مگر سنن کبریٰ للنسائی میں ان کے متابع میں ابراہیم بن میمون الصائغؒ (**م ۱۳۱ھ**) (**ثقہ**) موجود ہیں۔ (**تقریب: رقم ۲۶۱**) نیز، **تاریخ ابن عساکر: جلد ۴۲: صفحہ ۱۰۸- ۱۰۹**) میں بھی ۲ مختلف سندیں موجود ہیں، جس سے ابن ابی لیلیٰؒ کی روایت کی تائید ہوتی ہے۔ نیز، دیکھئے **الاحادیث المختارۃ: جلد ۲: صفحہ ۲۷۴ – ۲۷۵، حدیث نمبر ۶۶۵**، الغرض شواہد کی وجہ سے ابن ابی لیلیٰؒ کی روایت حسن ہے۔

[19] **مصنف عبد الرزاق: حدیث نمبر ۷۹۰۰**، واسنادہ صحیح، **طبقات ابن سعد: جلد ۸: صفحہ ۱۷۹**، اسنادہ صحیح، **حلیۃ الاولیاء: جلد ۲ : صفحہ ۶۷**، **دلائل النبوۃ: جلد ۶: صفحہ ۱۲۵**، واللفظ لہ۔

[20] **المعجم الکبیر للطبرانی: جلد ۸: صفحہ ۲۸۶، حدیث نمبر ۸۰۹۹**، واسنادہ حسن، جیسا کہ حافظ ہیثمیؒ نے کہا ہے، **مجمع الزوائد: حدیث نمبر ۱۶۰۵۶**۔

۱۴ – ایک صحابی رسول ﷺ کے گھر میں فقر وفاقہ تھا، دعاء کی کہ اے اللہ ہمیں رزق عطا فرما، تو چکّی سے آٹا گرنے لگے، تو تنّور روٹیوں سے بھر گیا، پھر صحابی رسول نے چکّی کو اٹھایا، تو آٹا رک گیا، حضور ﷺ کی خدمت میں یہ واقعہ ذکر کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر یہ شخص چکّی نہ اٹھاتا، تو قیامت تک وہ چکّی چلتی رہتی[21]، لیکن اہل بیت اور حضور ﷺ کے لئے ایسا کیوں نہیں کیا گیا، جبکہ آپ ﷺ کے گھروں میں ۳،۳ مہینے گزر جاتے، اور چولا نہیں جلتا، جس کا حوالہ پہلے گزر چکا۔

۱۵ – امام سعید بن المسیبؒ روضہ رسول سے اذان کی آواز سنی[22]، لیکن صحابہؓ کو یہ اذان کیوں نہیں سنائی دی۔

۱۶ – علی بن صالحؒ (م ۱۵۴ھ) جب پیاسے تھے، تو انہیں پانی پلانے کیلئے حضرت جبریل علیہ السلام آئے تھے[23]، لیکن کربلا میں جب حضرت حسینؓ پانی کی شدت سے دوچار تھے، تب کیوں نہیں آئے۔

۱۷ – یوسف بن حسن بن عبد الہادیؒ (م ۹۰۹ھ) کے دادا احمد بن حسن بن عبد الہادیؒ (م ۸۹۵ھ) کے بارے میں وہ خود کہتے ہیں کہ وہ حضرت جبریل علیہ السلام سے بات چیت کر رہے تھے۔ (**ذیل ابن عبد الہادی علی طبقات ابن رجب: صفحہ ۱۸**) مگر صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام نے کیوں جبریل علیہ السلام سے بات چیت نہیں کی؟

۱۸ – مشہور تابعی امام سعید بن جبیرؒ (م ۹۵ھ) نے ایک رات میں پورا قرآن نماز میں تلاوت کیا۔ (**شرح معانی الآثار: جلد ۱: صفحہ ۳۴۸، حدیث نمبر ۲۰۵۴**، واسنادہ صحیح، **مصنف ابن ابی شیبہ: حدیث نمبر ۸۶۷۹، مصنف عبد الرزاق: حدیث نمبر ۵۹۵۳، حلیہ الاولیاء: جلد ۴: صفحہ ۲۳۷**) لہذا یہ چیز نبی ﷺ سے کیوں نہیں ہو سکا؟

۱۹ – ثقہ، محدث، حافظ سلیمان بن تیمیؒ (م ۱۴۳ھ) نے ۴۰ سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔ (**شعب الایمان: جلد ۴: صفحہ ۵۳۰، حدیث نمبر ۲۹۵۰**) مگر ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ سے ایسا کیوں نہیں ہو پایا؟

---

[21] **المعجم الاوسط للطبرانی: جلد ۵: صفحہ ۳۰۷، حدیث نمبر ۵۵۸۸**، حافظ ہیثمیؒ نے اس روایت کی تصحیح کی ہے۔ (**مجمع الزوائد: حدیث نمبر ۱۸۷۸۳**)

[22] (**التاریخ الکبیر لابی خیثمہ: جلد ۲: صفحہ ۱۱۹**، واسنادہ حسن بالشواہد)، اس کی سند میں عبد الحمید بن سلیمان ضعیف ہیں، لیکن ابن عدیؒ کہتے ہیں کہ ان کی حدیثیں لکھی جائے۔ (**الکامل لابن عدی: جلد ۷: صفحہ ۶**)، یعنی ان کی حدیثیں شواہد کی صورت مقبول ہوں گی، اور کئی ثقہ راوی ان کے متابع میں موجود ہیں، مثلاً سعید بن عبد العزیزؒ (م ۱۶۷ھ) (ثقہ) وغیرہ (**سنن دارمی: حدیث نمبر ۹۴، الدرالثمینہ لابن نجار: صفحہ ۱۵۹، موضح أوھام الجمع والتفریق: جلد ۲: صفحہ ۱۶۳، ۱۶۵، الکفایہ للخطیب: صفحہ ۳۶۶، المستدرک للحاکم: جلد ۳: صفحہ ۶۲۸، الکامل: جلد ۴: صفحہ ۳۸۵**)، لہذا عبد الحمید بن سلیمانؒ پر کلام فضول اور بیکار ہے اور یہ روایت شواہد کی وجہ سے حسن ہے۔

[23] (**کرامت الأولیاء للحسن بن محمد الخلال: صفحہ ۳۵۰: واقعہ نمبر ۴۳، طبعہ المکتبۃ الاسلامیہ، مصر**، واسنادہ حسن)

۲۰ – امام زہیر بن محمدؒ (**م ۲۵۸ھ**) رمضان میں ۹۰ قرآن ختم فرماتے تھے۔ (**تاریخ بغداد: جلد ۸: صفحہ ۴۸۷**، واسنادہ حسن)

۲۱ – امام یزید بن ہارونؒ (**م ۲۰۶ھ**) فرماتے ہیں کہ 'امام ابو بکر بن عیاشؒ (**م ۱۹۴ھ**) فاضل (اور) صاحبِ خیر شخص تھے، انہوں نے **۴۰ سال تک اپنا بازو زمین پر نہیں رکھا**، یعنی ۴۰ سال تک ان کو لیٹنے کی نوبت نہیں آئی' ۔ (**البدایۃ والنہایۃ: جلد ۱۴: صفحہ ۵۴، تاریخ بغداد: جلد ۱۴: صفحہ ۳۸۲**، واسنادہ **صحیح**)

۲۲- [صحیح بخاری کے مرکزی راوی] ابو اسحاق السبیعیؒ (**م ۱۲۹ھ**) فرماتے ہیں کہ ۴۰ سال تک میری آنکھیں نہیں بند ہوئیں، یعنی میں ۴۰ سال تک نہیں سویا۔ (**حلیۃ الاولیاء: جلد ۴: صفحہ ۳۳۹**، واسنادہ **صحیح**)

۲۳- امام علی بن المدینیؒ (**م ۲۳۵ھ**) فرماتے ہیں کہ امام یحیٰی بن سعید القطانؒ (**م ۱۹۸ھ**) روزانہ مغرب اور عشاء کے درمیان قرآن ختم کرتے تھے۔ (**التاریخ والمعرفۃ: جلد ۲: صفحہ ۱۴۹**، واسنادہ **صحیح**)

۲۴ – ثقہ، صدوق حضرت مستلم بن سعیدؒ نے کہا کہ میں نے ۷۰ دن تک پانی نہیں پیا۔ (**تاریخ الواسط: صفحہ ۸۴- ۸۵**، واسنادہ **صحیح**)

الغرض سوال یہ ہے کہ یہ تمام کے تمام خرقِ عادت امور رسول اللہ ﷺ اور ان کے اصحاب سے کیوں ثابت نہیں ہے؟ حالانکہ وہ ان تمام سے بڑے مقام والے تھے۔

۲۵ – حافظ ابن تیمیہؒ کو لوح محفوظ میں کیا لکھا ہے، اس کا علم ہو گیا، اور انہوں نے غیب کی خبریں بیان کیں۔ (**مدارج السالکین: جلد ۲: صفحہ ۴۵۸**) لیکن نبی ﷺ اور صحابہ کرام کو کیوں لوحِ محفوظ کا علم نہیں ہوا؟

۲۶ – غیر مقلد عالم شیخ عبد السلام مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں (جس خلاصہ ہے) کہ امام بخاریؒ بچپن میں نابینا ہو گئے تھے، مگر ان کی بینائی واپس آگئی تھی۔ (**سیرۃ البخاری: صفحہ ۵۴**) لیکن صحابیِ رسول عبد اللہ بن ام مکتومؓ کی بینائی کیوں نہیں آئی؟ حالانکہ وہ امام بخاریؒ سے درجہ میں کہیں زیادہ بڑے تھے۔

۲۷ – ثقہ، امام[24] ابو سلیمان الدارانیؒ (**م ۲۱۲ھ**) کچھ اذکار پڑھے بغیر سو گئے، تو خواب میں حور نے آکر انہیں ترغیب دی، کہ اذکار نہ چھوڑیں۔ (**حلیہ الاولیاء: جلد ۹: صفحہ ۲۵۹**)[25]

---

[24] تقریب: رقم ۳۸۸۳، سیر اعلام النبلاء: جلد ۱۰: صفحہ ۱۸۲۔

لیکن نبی ﷺ کی ایک موقعہ پر فجر کی وقت (فرض نماز کے لئے) آنکھ نہیں کھلی، **(سنن ابی داوٗد: حدیث نمبر ۴۴۷)** تو آپ کے خواب میں کوئی کیوں نہیں آیا کہ فجر کی نماز کا وقت ہو رہا ہے، آپ بیدار ہو جایئے۔

۲۸ – رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس ایک تھیلی تھی، جس میں چند کھجوریں تھیں، مگر اس سے غیبی کھجوریں نکلتی تھیں، اور حضرت ابو ہریرہؓ نے اس تھیلی میں سے لاتعداد کھجور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے حضرت عثمانؓ کی خلافت تک کھائیں۔ **(سنن ترمذی** بتحقیق البانی: **حدیث نمبر ۳۸۳۹،** امام ترمذی، شیخ البانی نے حسن کہا ہے)

مگر سوال یہ ہے کہ حضور ﷺ کو ایسی غیبی کھجور کی تھیلی کیوں نہ ملی؟

۲۹ – غیر مقلدین کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ کی قبر سے مشک کی خوشبو آنے لگی، یہاں تک کہ لوگ مشک خریدنے کے بجائے، امام بخاریؒ کی قبر کی مٹی لے جاتے اور اسے استعمال کرتے۔ **(دفاع بخاری: صفحہ ۹۳۱ – ۹۳۲، مرآۃ البخاری: صفحہ ۲۳۹)** سوال یہ ہے کہ کیا ایسی خوشبو رسول اللہ ﷺ کے روضہ سے آئی؟

نیز، اہل حدیث حضرات کہتے ہیں کہ ان کے مناظر عبد القادر روپڑی صاحب کی قبر سے جنۃ الفردوس کی خوشبو آئی۔ **(فتوحاتِ اہل حدیث: جلد ۱: صفحہ ۴۴)** کیا حضور ﷺ کی قبر مبارک سے جنۃ الفردوس کی خوشبو آئی؟

۳۰ – انس بن نضرؓ کو دنیا میں جنت کی خوشبو محسوس ہوئی، **(صحیح بخاری: حدیث نمبر ۲۸۰۵)** لیکن حضور ﷺ کو جنت کی خوشبو کیوں محسوس نہیں ہوئی؟

الغرض یہ پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور اپنی مرضی سے کسی خرقِ عادت امور کو کسی چھوٹے درجہ والے پر ظاہر کرتے ہیں اور بڑے درجہ والے کو محروم فرمادیتے ہیں۔

لہذا غیر مقلدین کا اعتراض باطل و مردود ہے۔

---

[25] اس کی سند میں محمد بن عثمان الواسطیؒ ثقہ، محدث ہے۔ **(الدلیل المغنی: صفحہ ۴۲۴)** اور ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن سعید الواسطیؒ کی حدیث کو امام ابو اعوانہؒ نے صحیح کہا ہے۔ **(صحیح ابی عوانہ: جلد ۴: صفحہ ۱۴۲، تاریخ ابن عساکر: جلد ۵۱، صفحہ ۴۱)**، امام ابو بکر الاسماعیلیؒ نے آپ سے روایت لی ہے اور غیر مقلدین کے نزدیک آپؒ صرف ثقہ سے ہی روایت لیتے ہیں۔ **(اتحاف النبیل: جلد ۲: صفحہ ۸۶، المعجم فی أسامی شیوخ أبی بکر الاسماعیلی: جلد ۱: صفحہ ۴۰۰، توضیح المشتبہ لابن ناصر الدین: جلد ۷: صفحہ ۳۳۱)**، نیز آپ صدوق بھی ہیں۔ **(ارشاد القاصی والدانی إلی تراجم شیوخ الطبرانی: صفحہ ۴۹۲)**، لہذا یہ سند حسن ہے۔

اعتراض نمبر "۴" کا جواب:

معراج ربانی کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ شیخ احمد رفاعیؒ کے اس واقعہ کا ۹۰,۰۰۰ کے مجمع نے مشاہدہ کیا، لیکن اس وقت مسجدِ نبوی اور اس کا اندرونی حصہ بہت ہی چھوٹا تھا، تو ۹۰,۰۰۰ کے مجمع نے مصافحہ کے منظر کو کیسے دیکھ لیا۔

الجواب نمبر ا:

عرض ہے کہ ارشاد المسلمین کی روایت میں موجود ہے کہ:

بمدله رسول الله ﷺ يده الشريفة النورنية من قبره الازهر الكريم فقبلها والناس ينظرون۔ وقد كان في الحرم الالوف حين خروج اليد الطاهرة المحمدية۔

سید احمد رفاعیؒ کے لئے، روضۂ رسول سے حضور ﷺ کا دستِ مبارک ظاہر ہوا، تو شیخ احمد رفاعیؒ نے آپ ﷺ کے ہاتھ مبارک کو چوما اور لوگ دیکھ رہے تھے، اور یہ واقعہ کے وقت مسجدِ نبوی میں ہزاروں لوگ موجود تھے۔ **(ارشاد المسلمین: صفحہ ۸۸)**

اور غیر مقلدین کا اصول ہے کہ حدیث، حدیث کی وضاحت کرتی ہے، روایت، روایت کی وضاحت کرتی ہے۔ **(نور العینین: صفحہ ۱۲۰، دین الحق: جلدا: صفحہ ۲۶۹)** لہذا اس روایت سے معلوم ہوا کہ ۹۰,۰۰۰ کی تعداد پوری مسجد میں تھی نہ کہ صرف مسجد کے اندرونی حصہ میں۔

لہذا معراج ربانی کا وسوسہ مردود ہے۔

رہا یہ سوال کے <u>۵۵۵ھ</u> میں مسجد نبوی کتنی چھوٹی رہی ہوگی؟ تو عرض ہے کہ حافظ محب الدین بن النجارؒ جن کی پیدائش <u>۵۷۸ھ</u> اور وفات <u>۶۴۳ھ</u> میں ہوئی، وہ اپنی کتاب '**الدرة الثمينة في أخبار المدينة**' میں کہتے ہیں کہ:

اعلم أن طول المسجد اليوم من قبلته إلى الشام، مائتا ذراع وأربع وخمسون ذراعاً وأربع أصابع، ومن شرقيه إلى غربيه مائة ذراع وسبعون ذراعاً شافة۔

جان لو کہ آج مسجدِ نبوی کی لمبائی اس کے قبلہ سے جہت شام تک ۲۵۴ ذراع اور ۱۴ انگشت ہے، اور مشرق سے مغرب تک کی جہت ۱۷۰ ذراع ہے۔ **(صفحہ ۱۲۰)**

اور اہل عرب نے تعمیری ذراع کے تعلق سے تحقیق کی اور بتایا کہ مختلف شہروں میں اس کی مقدار الگ الگ تھی، لیکن آخر میں اہل عرب نے **۱۳۳۲ھ** میں ا/ تعمیری ذراع کا ۷۵ سینٹی میٹر ہونے پر اتفاق کیا ہے۔ **(موسوعۃ وحدۃ القیاس العربیہ والاسلامیہ: صفحہ ۱۲۸)**،

اس لحاظ سے حسابی نتائج درج ذیل ہیں:

قبلہ (جنوب)

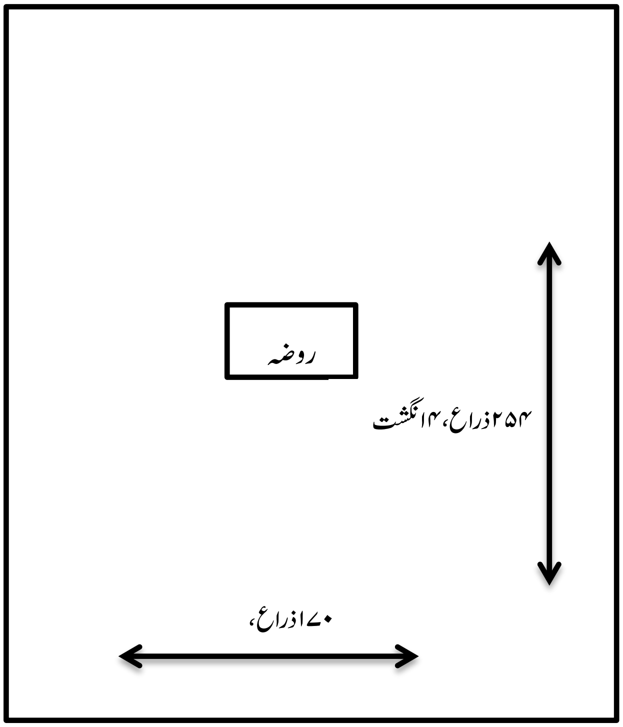

بقیع (مشرق)

(مغرب)

جہت شام

اور ایک تعمیری ذراع، **'۷۵'** سنتیمتر کا ہوتا ہے۔ جیسا کہ تفصیل گزر چکی۔

اور **'۱'** سنتیمتر ' ۰.۳۹۳۷ ' انچ کا ہوتا ہے۔

'۱۲' انچ کا **'۱'** فیٹ ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے:

75x0.3937 =29.52 انچ

29.52/12=2.46 فٹ (2.5 فٹ تقریباً)

254x2.5=635 فٹ

170x2.5= 425فٹ

لمبائی میں ایک فٹ '۰.۳۳۳' گز کا ہوتا ہے۔لہذا

635 فٹ x 0.333 = 211. 455 گز

425 x 0.333= 141.525 گز.

مستطیل علاقہ = L x b

211.455 x 141.525= 29,926.168 گز.اسکوائرفٹ

جو کہ قریب قریب ۳۰۰۰۰ گز ہو نگی۔

کچھ اور قابل غور پہلو:

- اور مسجدِ نبوی کا صحن بھی موجود تھا،جہاں پر اصحابِ صفہ رہتے تھے۔**(شرح مسلم للنووی:ج۱۳:ص۴۷)**

اور یہ تو عینی مشاہدہ ہے کہ عموماً مسجد کا صحن،شرعی مسجد سے بڑا ہوتا ہے،مثلاً آپ جامع مسجد دہلی،مکہ مسجد حیدر آباد،شاہ فیصل مسجد کراچی،وغیرہ جیسی بڑی بڑی مساجد کو دیکھ لیں کہ ان کے صحن اصل مسجد سے کتنے بڑے ہیں۔

- اور پھر پہلے زمانہ سے ہی ایام حج کے لئے،حرمین شریفین میں خاص انتظامات کیا جاتا تھا جیسا کہ سیرت کے کتابوں میں موجود ہے۔تاکہ آنے والے حجاج کرام کو سہولت ہو۔

مثلاً،آج ہی کے دور کی مثال لے لیں کہ عام دنوں میں مسجدِ نبوی میں ۶,۰۰,۰۰۰ نمازیوں کی گنجائش ہے،لیکن ایام حج میں ۱۰,۰۰,۰۰۰ سے ۱۴۰۰۰۰۰ تک کے آدمیوں کی گنجائش کر دی جاتی ہے۔

بلکہ بعض مدینہ کے رہنے والوں نے بتایا کہ ایامِ حج میں مسجدِ نبوی میں ۱۲,۰۰,۰۰۰ سے زائد نمازیوں تک بھی گنجائش فراہم کی جاتی ہے۔

الغرض جب ان تمام پہلوؤں پر نظر ڈالی جائے ۵۵۵ھ کے حج کے موقعہ پر پوری مسجدِ نبوی میں ۹۰,۰۰۰ کے مجمع کا ہونا کوئی بعید بات نہیں ہے، خصوصاً جبکہ یہ واقعہ صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے۔

لہٰذا غیر مقلدین کا اعتراض باطل و مردود ہے۔

الجواب نمبر ۲:

اور پھر بہت سے دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ عربی میں کبھی عدد کثرت اور مبالغہ پر دلالت کرتا ہے، نہ کہ تعداد پر، ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) تحریر فرماتے ہیں: (وتسعون) أراد به الكثرة دون الحصر. **(مرقاۃ: جلد ۳: صفحہ ۱۱۴۳)** شیخ حسن ابو الاشبال کہتے ہیں کہ "أن هذا العدد له مفهوم يسمى عند الأصوليين: مفهوم العدد، فهل مفهوم العدد حجة؟ مذهب جماهير الأصوليين أن مفهوم العدد ليس بحجة، وإنما المراد منه الكثرة، وليس المراد اعتبار عين العدد، كما لو قلت لصاحبك: أنا اتصلت بك مائة مرة، أو أتيتك للزيارة مائة مرة ولم أجدك، وفي حقيقة الأمر أنت ما أردت تحديد العدد، أنك حقاً أتيت مائة مرة عداً، وإنما أردت أن تخبره أنك أتيته كثيراً". **(شرح صحیح مسلم: حسن ابو الاشبال: ۸/۱۰۶)**

لہٰذا یہاں پر بھی احتمال ہے کہ ۹۰,۰۰۰ کہنے سے مراد لوگوں کی کثرت بتانا ہے، نہ لوگوں کی تعداد۔ واللہ اعلم

اعتراض نمبر "۵" کا جواب:

ایک غیر مقلد فصیح صاحب نے یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ، یہ جو اشعار شیخ کبیر احمد رفاعیؒ نے نقل کیا ہے کہ: دوری کی حالت میں، میں اپنی روح کو خدمتِ اقدس میں بھیجا کرتا، وہ میری نائب بن کر آستانہ مبارک چومتی تھی۔ یہ تو کفر ہے۔

جواب یہ ہے کہ حضرات صوفیہ کرامؒ کی عبارات و الفاظ کے بارے میں، امام نوویؒ (م ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں کہ "وكل شيء رأيته من هذا النوع مما يتوهم من لا تحقيق عنده أنه مخالف ليس بمخالف ، بل يجب تأويل أفعال أولياء الله تعالى" اس طرح کی وہ تمام چیزیں، جن کے بارے میں غیر محقق سمجھتا ہے کہ وہ (شریعت کے) مخالف ہیں، (حالانکہ) وہ (چیزیں، شریعت کے) مخالف نہیں ہوتیں، بلکہ اولیاء اللہ کے افعال کی تاویل کرنا واجب ہے۔ **(بستان العارفین للنووی: صفحہ ۷۳)**

اسکین :

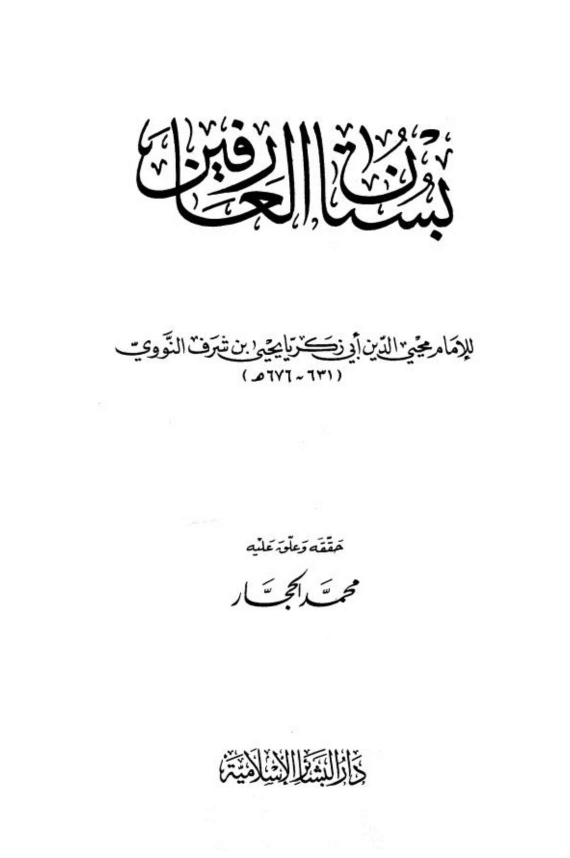

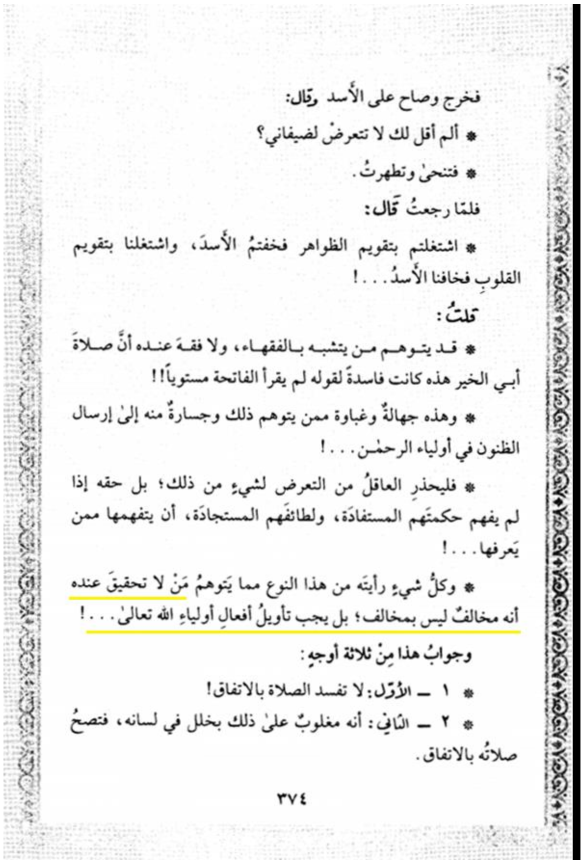

فخرج وصاح على الأسد وقال:

* ألم أقل لك لا تتعرضْ لضيفاني؟

* فتنحىٰ وتطهرتُ.

فلمّا رجعتُ قال:

* اشتغلتم بتقويم الظواهر فخفتمُ الأسدَ، واشتغلنا بتقويم القلوبِ فخافنا الأسدُ. . . !

قلتُ:

* قد يتوهم من يتشبه بالفقهاء، ولا فقهَ عنده أنَّ صلاةَ أبي الخير هذه كانت فاسدةً لقوله لم يقرأ الفاتحة مستوياً!!

* وهذه جهالةٌ وغباوة ممن يتوهم ذلك وجسارةٌ منه إلىٰ إرسال الظنون في أولياء الرحمٰن. . . !

* فليحذرِ العاقلُ من التعرض لشيءٍ من ذلك؛ بل حقه إذا لم يفهم حكمتَهم المستفادَة، ولطائفَهم المستجادَة، أن يتفهمها ممن يَعرفها. . . !

* وكلُّ شيءٍ رأيتَه من هذا النوع مما يَتوهمُ مَنْ لا تحقيقَ عنده أنه مخالفٌ ليس بمخالف؛ بل يجب تأويلُ أفعالِ أولياءِ الله تعالىٰ. . . !

وجوابُ هذا مِنْ ثلاثة أوجهٍ:

* ١ ــ الأوّل: لا تفسد الصلاة بالاتفاق!

* ٢ ــ الثاني: أنه مغلوبٌ علىٰ ذلك بخلل في لسانه، فتصحُ صلاتُه بالاتفاق.

٣٧٤

معلوم ہوا کہ صوفیہ کرامؒ کی وہ عبارات جو ظاہری طور پر قرآن وحدیث کے خلاف نظر آئے، تو اس کی مناسب تاویل کرنا واجب ہے۔

اسی طرح غیر مقلدین کے شیخ نواب صدیق حسن خان صاحبؒ لکھتے ہیں کہ

"مناسب وہی ہے جس کی طرف شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ اور مسند الوقت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور امام مجتہد کبیر محمد شوکانیؒ گئے ہیں کہ صوفیہ کرامؒ کا جو کلام کتاب وسنت کے موافق ہو، تو اس کو قبول کریں اور جو کلام خلاف ہو، تو اس کی تاویل کریں۔"

(التاج المکلل: صفحہ ۱۶۹)

اسکین :

التاج المكلل

من

جواهر مآثر الطراز الآخر والأول

تأليف

السيد العلامة

محمد صديق حسن خان القنوجي البخاري

المولود سنة ١٢٤٨ هـ والمتوفى سنة ١٣٠٨ هـ

رحمه الله تعالى

إصدارات

وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية

إدارة الشؤون الإسلامية

دولة قطر

المخالف لظاهر الشرع إلى محامل حسنة، وكف اللسان عن تكفيره وتكفير غيره من المشايخ الذين ثبت تقواهم في الدين، وظهر علمهم في الدنيا بين المسلمين، وكانوا في ذروة عليا من العمل الصالح، ومن ثم رأيتُ شيخَنا الإمام العلامة الشوكانيَّ في «الفتح الرباني» مال إلى ذلك، وقال: لكلامه محامل، ورجع عما كتبه في أول عمره بعد أربعين سنة.

وأما شيخ الإسلام ابن تيمية ـ رحمه الله ـ وتلميذه الحافظ ابن القيم، وأمثالُهما، فهم إنما يذبون عن الشرع المطهر، وهذا منصبهم، وليس إنكارهم عليه من قِبَل الخصومة النفسانية، ولا على طريق الحسد الجاري بين أكثر أهل العلم من علماء الدنيا لكل وجهة هو موليها، ومع ذلك، لا شبهة ولا شك في أن جمعاً جَمّاً ذهبوا إلى تكفيره، وحطوا عليه بما لم يكن في حساب؛ كما أشرت إلى ذلك في كتابي «أبجد العلوم».

وأقول في هذا الكتاب: إن الصواب: ما ذهب إليه الشيخ أحمد السرهندي ـ مجددُ الألف الثاني ـ، والشيخ الأجلُّ مسنِدُ الوقت أحمدُ وليُّ الله ـ المحدِّث الدهلويُّ ـ، والإمام المجتهد الكبير محمد الشوكاني؛ من قبول كلامه الموافق لظاهر الكتاب والسنة، وتأويل كلامه الذي يخالف ظاهرهما، تأويله بما يُستحسن من المحامل الحسنة، وعدم التفوه فيه بما لا يليق بأهل العلم والهدى، واللهُ أعلم بسرائر الخلق وضمائرهم، وإنما الشأنُ في العلم المؤسَّس على الحديث والقرآن والتقوى في العمل الذي عليه مدار صحة الإسلام والإيمان والإحسان، وهذان الأمران قد كانا فيه على الوجه الأتم لا يختلف فيه اثنان، وكان من اتباع السنة، وترك التقليد، وإيثار الاجتهاد، ورفض القال والقيل، وردّ الآراء بمكانٍ لا يمكن أن يُفصح عنه لسان القلم، وهذه فضيلةٌ لا يساويها فضيلة، ومنقبة لا يوازيها منقبة، وكلامُه في العمل بالدليل، وطرح التقليد الضئيل فوق كلام الناس، وشغفه بذلك يفوت عن حصر البيان، فجزاه الله عنا وعن سائر المسلمين جزاء حسناً، وأفاض علينا من أنواره، وكسانا من حلل أسراره، وسقانا من حُمَيَّا شرابه، وحشرنا في زمرة أحبابه، بجاه سيد أصفيائه،

١٦٩

لہٰذا امام نووی، شاہ ولی اللہ اور خود غیر مقلدین کے اپنے علماء نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ صوفیہ کرامؒ کی وہ عبارت جو ظاہری طور پر قرآن وحدیث کے خلاف نظر آئے، تو فصیح صاحب کی طرح جہالت کی وجہ سے کفر کا فتویٰ نہ لگائے، بلکہ اس کی مناسب تاویل کی جائے۔

اور یہاں سید احمد رفاعیؒ کے ان اشعار کا صحیح مطلب یہ ہے:

دوری کی حالت میں، میں (کبیر احمد رفاعیؒ) آپ ﷺ پر درود بھیجتا تھا، جو آپ کی خدمت میں پیش ہوتا تھا۔

اب میں حاضر ہوں (روضہ رسول اللہ ﷺ پر)، آپ اپنا دست مبارک عطا کیجئے، تاکہ میں اس کو چوم سکوں۔

ایک الزامی حوالہ:

نیز، خود غیر مقلدین صحیح بخاری کی حدیث، جس میں نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

میرا بندہ نوافل میں ہمیشگی سے میرے قریب ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ (بن جاتا ہوں) جس سے وہ پکڑتا ہے، اور اس کا پیر (بن جاتا ہوں،) جس سے وہ چلتا ہے۔ **(صحیح بخاری: حدیث نمبر ۶۵۰۲)**

اسکین :

صَحِيحُ البُخَارِي

تصنيف
الإمام أبي عبد الله محمد بن إسماعيل البخاري
المتوفى سنة (٢٥٦)

طبعة مقابلة على النسخة السلطانية عن اليونينية، مزيدة ببعض الألفاظ من «فتح الباري»، و«تغليق التعليق»، مرقمة بترقيم محمد فؤاد عبد الباقي، مبينة الأطراف، رمز لأطرافه باختلاف ألفاظ الحديث بينها، مخرجة من صحيح مسلم بأطرافها، مصححة الأخطاء التي وقع فيها المحققون، قابلة للنظر من المعجم المفهرس وغيره، مخرجة القراءات المعتمدة عند البخاري، معتنى بها فنياً، مزودة بفهارس الموضوعات والأحاديث والآثار

اعتنى به
أبو صهيب الكرمي

بيت الأفكار الدولية للنشر

رقم الصفحة ١٢٤٧ — ٨١- كتاب الرقاق : ٣٩- باب : قول النبي ﷺ «بعثت أنا»

٦٥٠٢- حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ كَرَامَةَ : حَدَّثَنَا خَالِدُ ابْنُ مَخْلَدٍ : حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ : حَدَّثَنِي شَرِيكُ بْنُ عَبْدِاللَّهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ ، عَنْ عَطَاءٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : «إِنَّ اللَّهَ قَالَ : مَنْ عَادَى لِي وَلِيّاً فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ : كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا ، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا ، وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ ، وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِي عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ ، يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَأَنَا أَكْرَهُ مَسَاءَتَهُ» .

٣٩- باب : قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ :
«بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ»

﴿وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ [النحل: ٧٧]

اس حدیث کے ظاہری معنیٰ شریعت کے خلاف نظر آرہے ہیں، تو خود علماء اہل حدیث نے اس کی تاویل کی ہے کہ اس حدیث کا مطلب ہے کہ بندے کے اعضاء اللہ کی فرمابرداری میں استعمال ہوتے ہیں۔

چنانچہ اہل حدیث عالم داؤد راز لکھتے ہیں کہ " اس کے (یعنی کثرت سے نوافل پڑھنے والے بندے کے) حواس ظاہری و باطنی سب شریعت کے تابع ہو جاتے ہیں، وہ ہاتھ، پاؤں، کان سے صرف وہی کام کرتا ہے، جس میں میری مرضی ہے (یعنی اللہ کی رضا ہو)۔ **(صحیح بخاری ترجمہ داؤد راز: جلد ۷: صفحہ ۷۲۹، حدیث نمبر ۶۵۰۲)**

اسکین :

صحیح بخاری

جلد ہفتم

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

لہٰذا جب حدیث میں تاویل ہو سکتی ہے، تو سید احمد رفاعیؒ کے اشعار میں تاویل کیوں نہیں ہو سکتی، جبکہ خود غیر مقلدین کے علماء نے ہی صوفیہ کی وہ عبارت جو ظاہری طور پر قرآن و حدیث کے خلاف نظر آئے، ان میں تاویل کا حکم دیا ہے، جیسا کہ تفصیل اوپر گزر چکی۔ الغرض یہ فصیح صاحب کی نادانی اور نا علمی کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے ان اشعار کو کفریہ قرار دیا ہے۔

ایک اہم نکتہ:

مولانا زکریا صاحبؒ سے پہلے بہت سے سلفِ صالحین، محدثین و علماء نے اپنی اپنی کتابوں میں یہی واقعہ نقل کیا ہے، جیسا کہ حوالے اوپر گزر چکے۔

کسی ایک سلف، محدث اور عالم کو ان اشعار میں کفر نظر نہیں آیا ہے، اگر نظر آیا ہے تو ۱۴۰۰ صدی کے فصیح سلفی اور ان کے فرقہ کو سمجھ میں آیا ہے۔

اگر فصیح صاحب میں دم ہے، تو ذرا انگریز سے پہلے کسی ایک عالم کا حوالہ دیں، جنہوں نے ان اشعار کو کفریہ اشعار قرار دیا ہے۔

فصیح سلفی اور تمام اہل حدیثوں سے سوال:

فصیح صاحب! اگر آپ میں مسلکی تعصب نہیں ہے اور آپ نے حق کے لئے حضرت شیخ الحدیثؒ پر فتویٰ لگایا ہے، تو مولانا زکریا صاحبؒ سے پہلے جن جن سلفِ صالحین، محدثین اور علماء نے سید احمد رفاعیؒ کا یہ واقعہ بیان کیا ہے، ان پر بھی فتویٰ لگائے۔

کیونکہ مولانا زکریا صاحبؒ نے ان سے یہ واقعہ نقل کیا ہے، اصل میں اس واقعہ کو سلف نے بیان کیا ہے۔

مہربانی فرمایئے، اوپر ذکر کئے گئے سلفِ صالحین، محدثین اور علماء پر بھی فتویٰ لگایئے، **تاکہ عوام کو معلوم ہو کہ یہ اعتراض علماء دیوبند سے بغض کی وجہ سے نہیں تھا۔**

ایک اور سوال:

غیر مقلدین، اہل حدیثوں کے مشہور و معروف عالم، مولانا عبد المجید سوہدرویؒ **(المتوفی ۱۹۵۹ء)** ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ:

حضرت ضیاء معصوم ثاقب، جو روضہ حضرت مجدد الف ثانیؒ (یعنی حضرت مجدد الف ثانیؒ کی قبر) پر مراقبہ کیلئے بیٹھے، تو قاضی (سلیمان منصور پوری) جی نے اپنے دل میں کہا کہ شاید، ان بزرگوں نے آپس میں کوئی راز کی بات کہنی ہو، ان سے الگ ہو جانا چاہیے، ابھی جی میں یہ خیال لے کر اٹھے ہی تھے کہ **حضرت مجدد الف ثانیؒ نے (جو وفات پا چکے تھے، قبر سے) آپ کو ہاتھ سے پکڑ لیا اور فرمایا کہ "سلیمان بیٹھے رہو، ہم کوئی بات تجھ سے راز میں رکھنا نہیں چاہتے**، صوفی صاحب کا بیان ہے کہ قاضی نے بعض دوستوں سے ذکر کیا اور فرمایا کہ یہ واقعہ مراقبہ یا مکاشفہ کا نہیں، بلکہ بیداری کا ہے۔ **(کرامات اہل حدیث: صفحہ ۲۲)** اسکین ملاحظہ فرمائے

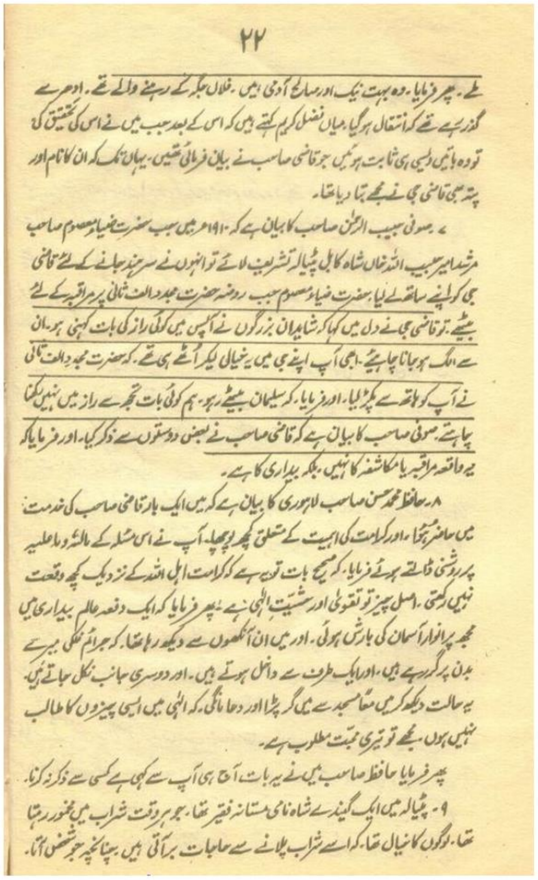

۲۲

ملے۔ پھر فرمایا۔ وہ بہت نیک اور صالح آدمی ہیں۔ فلاں جگہ کے رہنے والے تھے۔ ادھر سے گذر رہے تھے کہ انتقال ہو گیا۔ میاں فضل کریم کہتے ہیں کہ اس کے بعد جب میں نے اس کی تحقیق کی تو وہ باتیں ویسی ہی ثابت ہوئیں جو قاضی صاحب نے بیان فرمائی تھیں۔ یہاں تک کہ ان کا نام اور پتہ بھی قاضی جی نے مجھے بتا دیا تھا۔

۷۔ صوفی حبیب الرحمٰن صاحب کا بیان ہے کہ ۱۹۱۰ء میں جب حضرت ضیاء معصوم صاحب مرشد امیر حبیب اللہ خاں شاہ کابل پٹیالہ تشریف لائے تو انہوں نے سرہند جانے کے لئے قاضی جی کو اپنے ساتھ لے لیا۔ حضرت ضیاء معصوم جب روضہ حضرت مجدد الف ثانی پر مراقبہ کے لئے بیٹھے۔ تو قاضی جی نے دل میں کہا کہ شاید ان بزرگوں نے آپس میں کوئی راز کی بات کہنی ہو۔ ان سے الگ ہو جانا چاہیئے۔ ابھی آپ اپنے جی میں یہ خیال لیکر اُٹھے ہی تھے۔ کہ حضرت مجدد الف ثانی نے آپ کو ہاتھ سے پکڑ لیا۔ اور فرمایا۔ کہ سلیمان بیٹھے رہو۔ ہم کوئی بات تجھ سے راز میں نہیں رکھنا چاہتے۔ صوفی صاحب کا بیان ہے کہ قاضی صاحب نے بعض دوستوں سے ذکر کیا۔ اور فرمایا کہ یہ واقعہ مراقبہ یا مکاشفہ کا نہیں۔ بلکہ بیداری کا ہے۔

۸۔ حافظ محمد حسن صاحب لاہوری کا بیان ہے کہ میں ایک بار قاضی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کرامت کی اہمیت کے متعلق کچھ پوچھا۔ آپ نے اس مسئلہ کے مالہٗ وما علیہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا۔ کہ صحیح بات تو یہ ہے کہ کرامت اہل اللہ کے نزدیک کچھ وقعت نہیں رکھتی۔ اصل چیز تو تقویٰ اور خشیتِ الٰہی ہے۔ پھر فرمایا کہ ایک دفعہ عالم بیداری میں مجھ پر انوار آسمان کی بارش ہوئی۔ اور میں ان آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ کہ جرائم فلکی میرے بدن پر گر رہے ہیں۔ اور ایک طرف سے داخل ہوتے ہیں۔ اور دوسری جانب نکل جاتے ہیں۔ یہ حالت دیکھ کر میں معاً مسجد سے ہی گر پڑا اور دعا مانگی۔ کہ الٰہی میں ایسی چیزوں کا طالب نہیں ہوں۔ مجھے تو تیری محبت مطلوب ہے۔

پھر فرمایا حافظ صاحب میں نے یہ بات آج ہی آپ سے کہی ہے کسی سے ذکر نہ کرنا۔

۹۔ پٹیالہ میں ایک گینڈے شاہ نامی مستانہ فقیر تھا۔ جو ہر وقت شراب میں مخمور رہتا تھا۔ لوگوں کا خیال تھا۔ کہ اسے شراب پلانے سے حاجات بر آتی ہیں۔ چنانچہ جو شخص آتا۔

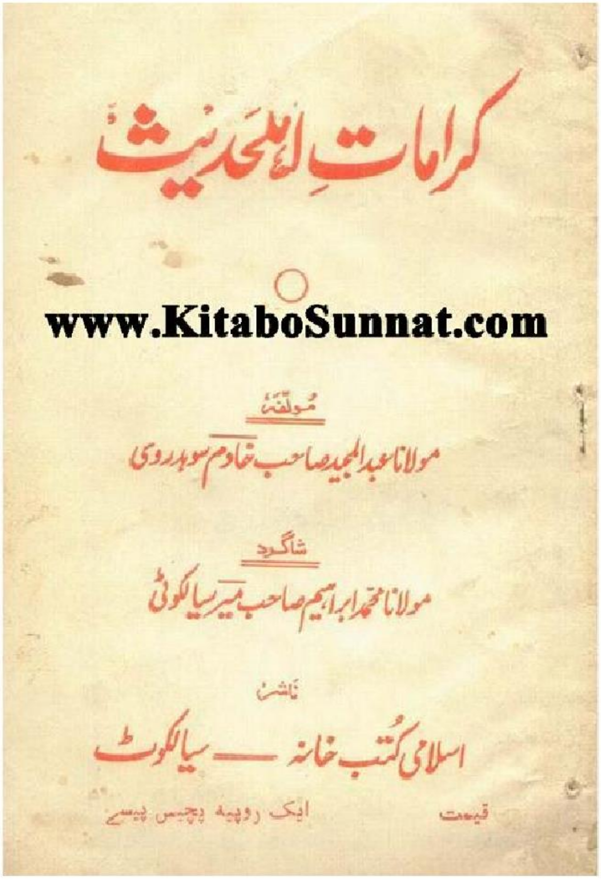

غور فرمایئے! غیر مقلد اہل حدیث عالم کی کرامت دیکھئے کہ ان کے لئے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی قبر سے ہاتھ نکلا اور انہیں روکا۔

اس واقعہ کے بارے میں غیر مقلدین اہل حدیث حضرات کا کیا فتویٰ ہو گا؟

کیا اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد، اہل حدیث عالم عبد المجید سوہدرویؒ مومن باقی ہیں؟؟

نوٹ:

بعض لوگوں نے اس واقعہ سے جان چھڑاتے ہوئے یہ کہا کہ مولانا عبد المجید سوہدروی مجہول ہیں، حالانکہ اسی کتاب کے چھاپنے والے نے صاف طور سے 'مولانا عبد المجید سوہدروی' کو **جماعت اہل حدیث کے مشہور و معروف اور صاحب قلم شخصیت قرار دیا ہے۔**

(کرامات اہل حدیث: صفحہ ۲)

اسکین:

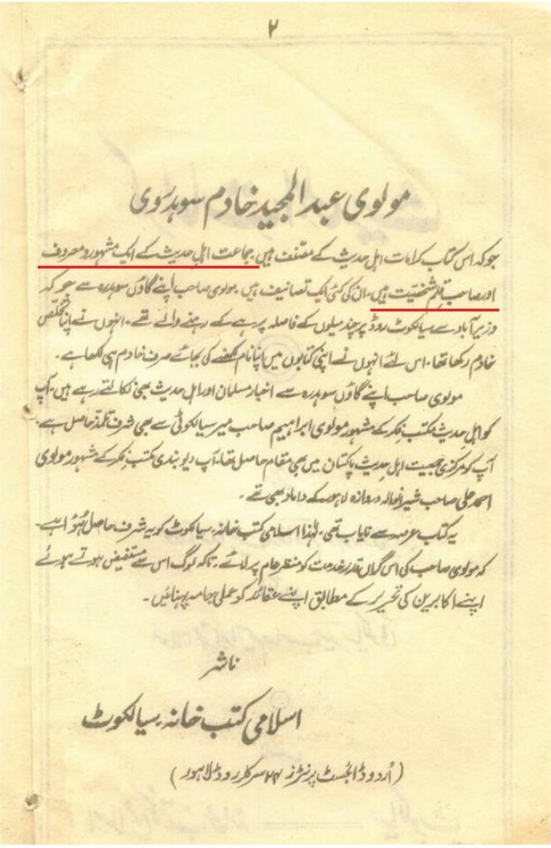
۲

مولوی عبد المجید خادم سوہدروی

جو کہ اس کتاب کرامات اہل حدیث کے مصنف ہیں۔ جماعت اہل حدیث کے ایک مشہور و معروف اور صاحب قلم شخصیت ہیں۔ ان کی کئی ایک تصانیف ہیں۔ مولوی صاحب اپنے گاؤں سوہدرہ سے جو کہ وزیر آباد سے سیالکوٹ روڈ پر چند میلوں کے فاصلہ پر ہے کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے اپنا تخلص خادم رکھا تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنی کتابوں میں اپنا نام لکھنے کی بجائے صرف خادم ہی لکھا ہے۔

مولوی صاحب اپنے گاؤں سوہدرہ سے اخبار مسلمان اور اہل حدیث بھی نکالتے رہے ہیں۔ آپ کو اہل حدیث مکتب فکر کے مشہور مولوی ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی سے بھی شرف تلمذ حاصل ہے۔ آپ کو مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان میں بھی مقام حاصل تھا۔ آپ دیو بندی مکتب فکر کے مشہور مولوی احمد علی صاحب شیرانوالہ دروازہ لاہور کے داماد بھی تھے۔

یہ کتاب عرصہ سے نایاب تھی۔ لہٰذا اسلامی کتب خانہ، سیالکوٹ کو یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ مولوی صاحب کی اس گراں قدر خدمت کو منظر عام پر لائے۔ تاکہ لوگ اس سے مستفیض ہوتے ہوئے اپنے اکابرین کی تحریر کے مطابق اپنے عقائد کو عملی جامہ پہنائیں۔

ناشر

اسلامی کتب خانہ، سیالکوٹ

(اُردو ڈائجسٹ پرنٹرز ۲۴۴ سرکلر روڈ لاہور)

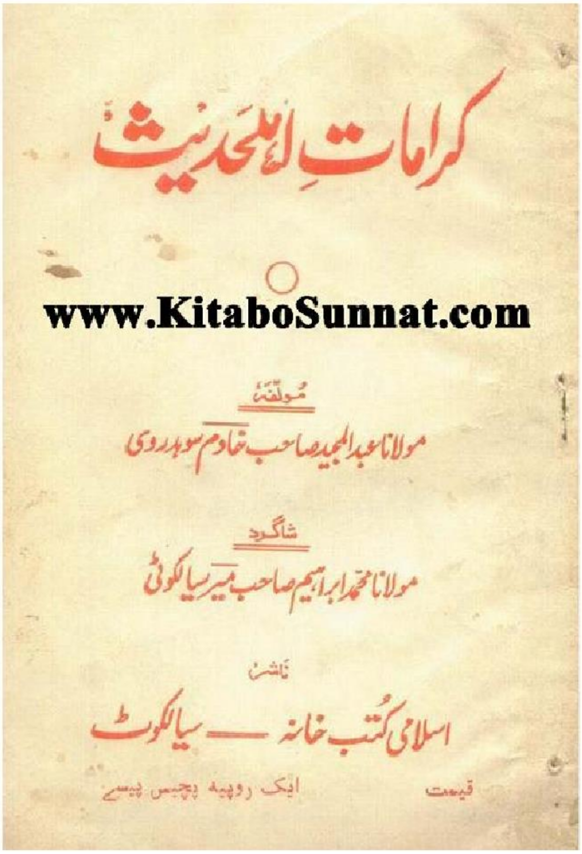
کراماتِ اہلحدیث

www.KitaboSunnat.com

مؤلفہ

مولانا عبد المجید صاحب خادم سوہدروی

شاگرد

مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی

ناشر

اسلامی کُتب خانہ — سیالکوٹ

قیمت ایک روپیہ پچیس پیسے

اسی طرح یہی کتاب "کرامات اہل حدیث" کو اضافہ کے ساتھ **مکتبہ دار السلام** والوں نے بھی چھاپا ہے، (جو کہ اہل حدیث حضرات کا مشہور و معتبر مکتبہ ہے) معلوم ہوا کہ عبد المجید صاحب معتبر اہل حدیث تھے۔ اور

آپ کے پوتے (Grandson) محمد ادریس فاروقی نے بھی کہا کہ آپ نے جریدۂ اہل حدیث نامی اخبار بھی نکالا تھ۔ **(کرامات اہل حدیث: صفحہ ۳۹)**

اسکین:

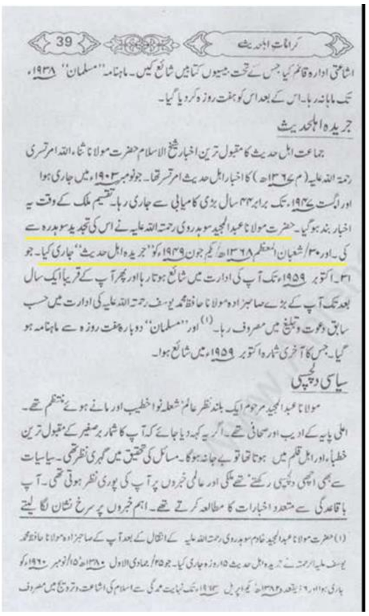

کرامات اہلحدیث — 39

اشاعتی ادارہ قائم کیا جس کے تحت بیسیوں کتابیں شائع کیں۔ ماہنامہ "مسلمان" ۱۹۳۸ء تک ماہانہ رہا۔ اس کے بعد اس کو ہفت روزہ کر دیا گیا۔

جریدہ اہلحدیث

جماعت اہل حدیث کا مقبول ترین اخبار شیخ الاسلام حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۶۷ھ) کا اخبار اہل حدیث امرتسر تھا۔ جو نومبر ۱۹۰۳ء میں جاری ہوا اور اگست ۱۹۴۷ء تک برابر ۴۴ سال بڑی کامیابی سے جاری رہا۔ تقسیم ملک کے وقت یہ اخبار بند ہو گیا۔ حضرت مولانا عبد المجید سوہدروی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تجدید سوہدرہ سے کی۔ اور ۳۰/ شعبان المعظم ۱۳۶۸ھ / یکم جون ۱۹۴۹ء کو "جریدہ اہل حدیث" جاری کیا۔ جو ۳۱۔ اکتوبر ۱۹۵۹ء تک آپ کی ادارت میں شائع ہوتا رہا اور پھر آپ کے قریباً ایک سال بعد تک آپ کے بڑے صاحبزادہ مولانا حافظ محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ادارت میں حسب سابق دعوت و تبلیغ میں مصروف رہا۔[1] اور "مسلمان" دوبارہ ہفت روزہ سے ماہنامہ ہو گیا۔ جس کا آخری شمارہ اکتوبر ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا۔

سیاسی دلچسپی

مولانا عبد المجید مرحوم ایک بلند نظر عالم، شعلہ نوا خطیب اور مانے ہوئے منتظم تھے۔ اعلیٰ پایہ کے ادیب اور صحافی تھے۔ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ آپ کا شمار برصغیر کے مقبول ترین خطباء اور اہل قلم میں ہوتا تھا تو بے جا نہ ہوگا۔ مسائل کی تحقیق میں گہری نظر تھی۔ سیاسیات سے بھی اچھی دلچسپی رکھتے تھے ملکی اور عالمی خبروں پر آپ کی پوری نظر ہوتی تھی۔ آپ باقاعدگی سے متعدد اخبارات کا مطالعہ کرتے تھے۔ اہم خبروں پر سرخ نشان لگا لیتے

(۱) حضرت مولانا عبد المجید خادم سوہدروی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد آپ کے صاحبزادہ مولانا حافظ محمد یوسف علیہ الرحمۃ نے جریدہ اہل حدیث ۱۵ روزہ جاری کیا۔ جو ۲۵/ جمادی الاول ۱۳۸۰ھ / ۱۵ نومبر ۱۹۶۰ء کو جاری ہوا اور ۹ ذیقعدہ ۱۳۸۲ھ / یکم اپریل ۱۹۶۳ء تک نہایت عمدگی سے اسلام کی اشاعت و ترویج میں مصروف

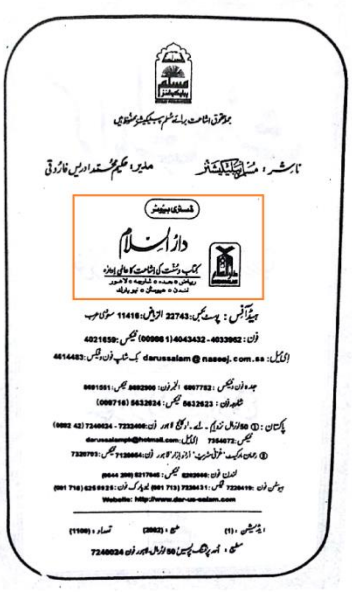

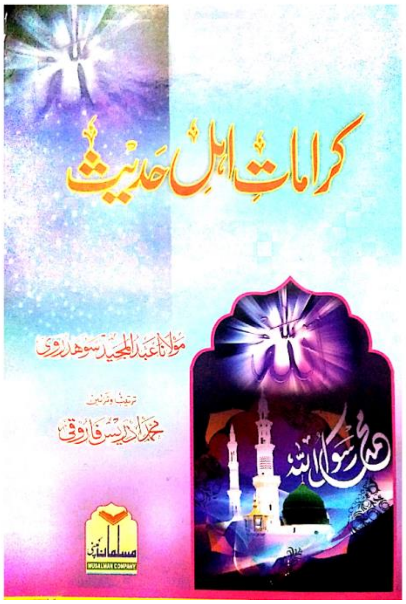

اس سے بھی صاف معلوم ہو رہا ہے کہ عبد المجید صاحب اہل حدیث ہی تھے۔

اور قاضی محمد اسلم سیف صاحب نے آپ کو اہل حدیث کی تاریخ میں شمار کیا ہے۔ **(تاریخ اہل حدیث تاریخ کے آئینہ میں: صفحہ ۴۲۸)**

یہ بھی صاف بتلا رہا ہے کہ عبد المجید صاحب بھی قاضی صاحب کے نزدیک اہل حدیث تھے۔

بلکہ اہل حدیث مؤرخ، اسحاق بھٹی صاحب دو ٹوک انداز میں لکھتے ہیں کہ: ضلع سے مولانا عبد المجید خادم سوہدروی **جو مسلک اہل حدیث کے معروف عالم اور مقرر تھے۔ (بزم ارجمنداں: صفحہ ۴۰۳)**

اسکین:

بزمِ ارجمنداں ۴۰۳ مولانا عبدالمجید سوہدروی

سیاسی اختلاف رکھنے والی جماعتوں اور ملک کے بعض سرکردہ حضرات کی ایک میٹنگ بلائی۔ اس میٹنگ میں مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی بھی شامل تھے۔ میں بھی اس میں شریک تھا۔ گوجرانوالہ سے مجھے یاد پڑتا ہے‘ اس میٹنگ میں دو علمائے کرام ہی شریک ہوئے تھے۔ شہر سے مولانا عبدالواحد جو دیو بندی مسلک کے حامل تھے اور ضلع سے مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی جو مسلک اہل حدیث کے معروف عالم اور مقرر تھے۔ اس میٹنگ میں ان کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہوا اور انھوں نے چند تجاویز پیش کی تھیں‘ وہ بھی سنیں۔ مولانا داؤد غزنوی نے جمعیت علمائے ہند کے جنرل سیکرٹری مولانا حفظ الرحمٰن کو خاص طور سے مولانا سوہدروی کی تجاویز نوٹ کرائیں۔ کسی تجویز کا کوئی حصہ اب ذہن میں محفوظ نہیں

یہاں یہ یاد رہے کہ اس میٹنگ سے دو مہینے بعد دسمبر ۱۹۴۵ء میں ملک میں انتخابات شروع ہو گئے جو دسمبر ۱۹۴۶ء تک جاری رہے تھے۔ مولانا عبدالمجید سوہدروی اس وقت مسلم لیگ کی سیاست سے متفق نہیں تھے۔

دہلی میں مہمانوں کے قیام کا انتظام پنجاب ہوٹل میں تھا اور ہم اسی ہوٹل میں رہے تھے۔

۱۹۴۸ء میں مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان قائم ہوئی تو میں اس کا ناظم دفتر مقرر ہو کر آیا۔ اس وقت جن علمائے کرام اور جماعت کے زعمائے عظام سے خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہوا‘ ان کی وسیع فہرست میں مولانا عبدالمجید سوہدروی کا اسم گرامی بھی شامل تھا۔ وہ جمعیت کے سلسلے میں کئی دفعہ لاہور تشریف لائے اور جماعتی نظم و نسق کے بارے میں ان کی تجاویز سننے کا موقع ملا۔

مئی ۱۹۴۹ء میں جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کی پہلی کانفرنس لاہور میں ہوئی تو اس میں بھی مولانا مرحوم شریک تھے اور انھوں نے تقریر ارشاد فرمائی تھی---ان تمام مواقع پر ان کو سلام تو کیا‘ لیکن ان سے زیادہ گفتگو نہ ہو سکی۔

اگست ۱۹۴۹ء میں گوجرانوالہ سے ہفت روزہ ”الاعتصام“ جاری ہوا اور میں اس سے منسلک ہوا تو مولانا سوہدروی سے واقفیت کا سلسلہ آگے بڑھا۔

اس سے دو ڈھائی مہینے بعد ۱۹۴۹ء کے آخر میں جامعہ محمدیہ (اوکاڑا) میں مولانا معین الدین لکھوی نے ایک جلسہ عام کے انعقاد کا اہتمام کیا‘ اس میں مجھے اور مولانا محمد حنیف

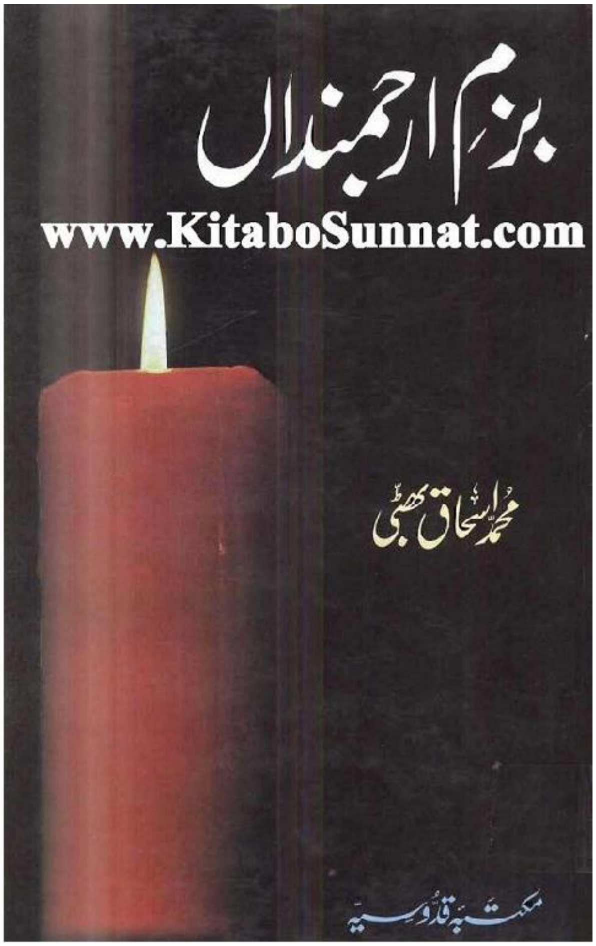

نیز عبدالرشید عراقی نے آپؒ کو ۴۰ علماء اہل حدیث میں شمار کیا اور کور پیج (Cover Page) پر لکھا ہے کہ ۴۰ جلیل القدر علماء اہل حدیث کے حالات زندگی۔ **(۴۰ علماء اہل حدیث: صفحہ ۷)**

اتنی واضح گواہی کے بعد بھی غیر مقلدین اہل حدیثوں کا اپنے ہی عالم سے جان چھڑا کر بھاگنا **باطل** ہے۔

لہذا ہماری گزارش ہے کہ جو لوگ شیخ سید احمد رفاعیؒ کے واقعہ پر اعتراض کرتے ہیں، پہلے سلفِ صالحین پر اعتراض کریں، کیوں کہ مولانا زکریا صاحبؒ نے وہی سے نقل کیا ہے۔

نیز، اہل حدیث مسلک کے **مشہور اہل حدیث** عالم مولانا عبدالمجید سوہدرویؒ نے شیخ سید احمد رفاعیؒ ہی کی طرح قبر سے ہاتھ نکالنے کا واقعہ لکھا ہے۔ ان پر غیر مقلدین اہل حدیث حضرات کا کیا فتویٰ ہوگا، اس کو بھی واضح کریں۔

پس اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق سمجھنے کی اور اس کو قبول کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

حافظ قرآن کریم کی فضیلت کے بارے میں ایک حدیث پر اعتراض اور اس کا جواب

-مفتی آصف بن اسماعیل المدنی

ترمذی شریف میں ایک حدیث ہے:

عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَاسْتَظْهَرَهُ فَأَحَلَّ حَلَالَهُ ، وَحَرَّمَ حَرَامَهُ أَدْخَلَهُ اللَّهُ بِهِ الجَنَّةَ وَشَفَّعَهُ فِي عَشَرَةٍ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ كُلُّهُمْ قَدْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے قرآن پڑھا اور اسے حفظ کیا، پھر (اس پر عمل کیا) اس کے حلال کو اور حرام کو مانا، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اسے جنت میں داخل فرمائیں گے، اور اس کے گھر والوں میں سے ایسے دس افراد کے حق میں اس کی سفارش قبول فرمائیں گے جن پر جہنم واجب ہو چکی ہو گی۔ **(سنن ترمذی: حدیث نمبر ۲۹۰۵)**

اسی طرح سنن ابن ماجہ، مسند احمد اور ان کے علاوہ، حدیث کی بہت سی کتابوں میں اسے نقل کیا گیا ہے۔

ان تمام کتابوں میں اس حدیث کی سند کا مدار امام حفص بن سلیمانؒ **(م۱۸۰ھ)** پر ہے، جن پر بہت سے علماءِ جرح و تعدیل نے سخت کلام کیا ہے، اور ان کے استاد کثیر بن زاذان کو مجہول کہا ہے۔

اسی وجہ سے، اس حدیث پر ترمذیؒ اور دوسرے محدثین نے کلام کیا ہے، بعض نے سخت ضعیف بھی کہا ہے۔

الجواب:

اولاً:

امام حفص بن سلیمانؒ قراءت کے مسلّم امام ہیں، ائمہ قراءت میں سے امام عاصم بن ابی نجود بھدلۃ کوفیؒ **(م۱۲۸ھ)** کے، دو شاگردوں میں سے ایک ہیں، آج دنیا کے ایک بہت بڑے حصہ میں بشمول ہندوستان، آپؒ ہی کی قراءت پڑھی جاتی ہے۔ امام حفص بن سلیمانؒ پر، ائمہ جرح وتعدیل کی طرف سے جہاں سخت جرحیں کی گئی ہیں، وہیں بعض ائمہ نے ان کی توثیق بھی کی ہے:

ایک روایت میں امام احمدؒ **(م۲۴۱ھ)** کہتے ہیں ما بہ بأس، ان میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح امام وکیعؒ **(م۱۹۸ھ)** نے انہیں ثقہ کہا ہے۔ **دیکھئے (تہذیب الکمال: جلد۷ :صفحہ ۱۰، ترجمہ ۱۳۹۰)** امام ذہبیؒ **(م۷۴۸ھ)** فرماتے ہیں" وَقد وَثَّقَهُ وَكِيع وَاحْمَدْ فِي قَول" اور یقیناً امام وکیعؒ اور ایک قول میں امام احمدؒ نے آپ کی توثیق کی ہے۔ **(المغنی فی الضعفاء: جلد۱: صفحہ ۱۷۹، رقم ۱۶۱۵)**

اس سے معلوم ہوا کہ وہ متفق علیہ ضعیف نہیں ہیں، بلکہ بعض بڑے ائمہ نے ان کی توثیق بھی کی ہے۔

نوٹ: کثیر بن زادانؒ مجہول الحال ہے۔اس لئے کہ ان سے حفص بن سلیمانؒ (م۱۸۰ھ) کے علاوہ حماد بن واقد اور عنبسہ بن عبدالرحمٰنؒ نے روایت کیا ہے۔ (**تہذیب الکمال : ج ۲۴ : ص ۱۱۰**) نیز کثیر بن زادانؒ کا باوجود علم ہونے کے،امام ابن عدیؒ نے ان کاترجمہ الکامل میں ذکر نہیں کیا۔ (**الکامل : ج۳ : ص ۲۶۹**) لہذا غیر مقلدین کے اصول کے مطابق یہ راوی ابن عدیؒ کے نزدیک ثقہ ہیں۔(**انوار البدر:ص ۲۲۴**)

ثانیاً:

امام بیہقیؒ(م۴۵۸ھ) مذکورہ بالا حدیث نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں" **حَفْصُ بْنُ سُلَيْمَانَ غَيْرُهُ أَوْثَقُ مِنْهُ وَاللهُ أَعْلَمُ، وَرَوَى مَعْنَاهُ بِإِسْنَادٍ آخَرَ ضَعِيفٍ** "۔

حفص بن سلیمانؒ - واللہ اعلم - دوسرے ان سے زیادہ ثقہ ہیں، اور یہی معنیٰ دوسری ضعیف سند سے بھی مروی ہے۔(**شعب الایمان:ج۴ : ص۲۲۸**)

اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

ایک تو یہ کہ امام بیہقیؒ (م۴۵۸ھ) نے امام حفصؒ کو کذاب یا سخت ضعیف نہیں، بلکہ یہ کہا کہ دوسرے ان سے زیادہ ثقہ ہیں۔ البتہ دوسری جگہ (**جلد۳:صفحہ ۳۴۱**) انہیں " **ضعیف فی الحدیث** " بھی کہا۔

دونوں قولوں میں تطبیق یہ ہے کہ بیہقیؒ، حفصؒ میں کچھ ضعف کے تو قائل ہیں، مگر سخت ضعف کے نہیں۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اس حدیث کی متابعت بھی موجود ہے۔

اس کے بعد آپ نے اس معنی کی ایک دوسری حدیث پیش ہے:

قال البیہقی : أخبرنا أبو سعيد عثمان بن عبدوس بن محفوظ الفقيه الجنزروزي، حدثنا الحاكم أبو محمد يحيى بن منصور، حدثنا أبو عمران موسى بن هارون، حدثني عيسى بن سالم، حدثنا سلم بن سالم، عن جعفر بن الحارث، عن عثمان بن سليمان، عن أبي الزبير، عن جابر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " حامل القرآن إذا عمل به فأحل حلاله، وحرم حرامه يشفع في عشرة من أهل بيته يوم القيامة، كلهم قد وجبت لهم النار "۔(شعب الایمان للبیہقی: جلد۴: صفحہ۲۲۷)

(اس کا ترجمہ بھی تقریباً وہی ہے جو حضرت علیؓ کی حدیث کا ہے)

راویوں کے حالات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) امام بیہقیؒ(م۴۵۸ھ) مشہور ثقہ، ثبت، حافظ الحدیث ہیں۔ (**سیر اعلام النبلاء: ج۱۸: ص ۱۶۳**)

(۲) أبو سعيد عثمان بن عبدوس بن محفوظ فقيه جنزروزی علیہ الرحمۃ صدوق ہیں۔ **(السلسل النقی: صفحہ ۴۵۸، رقم ۱۰۸)**

(۳) محدث حاکم اَبو محمد یحی بن منصورؒ **(م ۳۵۱ھ)** ثقہ حافظ ہیں۔ **(الروض الباسم: جلد ۲: صفحہ ۱۳۵۲، رقم ۱۱۶۸)**

(۴) امام موسیٰ بن ھارون ابو عمرانؒ **(م ۲۹۴ھ)** بھی ثقہ، حافظ ہیں۔ **(تاریخ الاسلام: جلد ۶ : صفحہ ۱۰۵۹، رقم ۵۳۶)**

(۵) عیسی بن سالم شاشی **(م ۲۳۸ھ)** ثقہ راوی ہیں۔ **(تاریخ الاسلام: جلد ۵ : صفحہ ۸۹۹)**

(۶) سلم بن سالم بلخیؒ **(م ۱۹۴ھ)** کی بہت سے علماء نے تضعیف کی ہے۔ لیکن امام عجلیؒ فرماتے ہیں: لابأس به (ان پر کوئی اعتراض نہیں)اسی طرح امام ابن عدیؒ کہتے ہیں وأرجو أن یحتمل حدیثه (یعنی مجھے امید ہے کہ ان کی حدیث قابل برداشت ہے) دیکھئے **(لسان المیزان: جلد ۴: صفحہ ۱۰۷، رقم ۳۵۴۴، الکامل فی الضعفاء: جلد ۴: صفحہ ۳۴۹، رقم ۷۷۹)**

امام ذہبیؒ ان کو الزاهد القدوة (زاھد اور پیشوا) کہتے ہیں۔ **(سیر اعلام النبلاء: جلد ۹: صفحہ ۳۲۱)**

معلوم ہوا کہ یہ بہت بڑے عابد و زاہد امام تھے، البتہ حدیث میں علماء جرح وتعدیل نے ان پر کلام کیا ہے، مگر ان کی سخت تضعیف نہیں کی، امام ابن عدیؒ ان کی روایتوں کی تحقیق کے بعد کہتے ہیں کہ مجھے امید ہے کہ ان کی حدیث قابل تحمل (برداشت) ہے۔

(۷) ابو الاشہب جعفر بن الحارثؒ کے بارے میں اختلاف ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ، امام ابو حاتمؒ، امام ابو زرعہؒ، امام یزید بن ہارونؒ، امام قاسم بن قطلوبغاؒ، امام حاکمؒ، امام ابن حبانؒ، امام ابن عدیؒ وغیرہ نے آپ کی توثیق کی ہے۔ **(تہذیب التہذیب: ج ۲: ص ۸۸، اکمال تہذیب الکمال: ج ۳ : ص ۲۰۶، کتاب الثقات للقاسم: ج ۳: ص ۱۷۲، ذکر من اختلف العلماء و نقاد الحدیث فیه: ص ۴۵)**

لیکن دوسری طرف ائمہ کی ایک جماعت نے ان کو ضعیف قرار دیا۔ امام بخاریؒ جرح کرنے کے ساتھ ساتھ کہتے ہیں کہ ان کی حدیثیں لکھی جائے۔ **(کتاب الثقات للقاسم: ج ۳ : ص ۱۷۲)** لہذا شواہد و مطابعات کی صورت میں ان کی روایت مقبول ہے۔

اور یہاں بھی جعفر بن الحارثؒ کی شاہد موجود ہے۔ لہذا وہ اس روایت میں مقبول ہے۔

(۸) عثمان بن سلیمان سے مراد ہماری تحقیق میں عثمان بن سلیمان اللیثیؒ ہے۔ جن کو امام ابن حبانؒ اور امام قاسم بن قطلوبغاؒ نے کتاب الثقات میں شمار کیا ہے۔ **(کتاب الثقات لابن حبان: ج ۷: ص ۲۰۳، کتاب الثقات للقاسم: ج ۷ : ص ۸۶)**

(۹) ابو الزبیر محمد بن مسلم بن تدرس: ثقه إلا أن یدلّس۔ ثقہ، مگر مدلس ہیں۔ **(تقریب: ۶۲۹۱)**

علماء کی ایک جماعت نے آپ کے عنعنہ کو قبول نہیں کیا، اِلا یہ کہ وہ امام لیث بن سعدؒ کے طریق سے ہو۔ البتہ بہت سے محدثین نے آپ کی حدیث کو مطلقاً بھی قبول کیا ہے۔

آپؒ کی چند حدیثوں کو، جو کہ امام لیثؒ کے طریق سے نہیں ہیں، ان کو امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے۔ شیخ حماد انصاریؒ جو ابھی قریب زمانہ میں مدینہ منورہ کے مشہور محدث گزرے ہیں، لکھتے ہیں:

ثالثا: من توقف فيهم جماعة فلم يحتجوا إلاّ بما صرحوا فيه بالسماع, وقبلهم آخرون مطلقا, كالطبقة التي قبله, لأحد أسباب التي تقدمت كالحسن وقتادة وأبي إسحاق السبيعي وأبي الزبير المكي وأبي سفيان طلحة بن نافع وعبد الملك بن عمير.

تیسرا: جن کے بارے میں ایک جماعت نے توقف کیا ہے، پس وہ ان سے احتجاج نہیں کرتے ہیں مگر جب کہ وہ سماع کی تصریح کریں، اور دوسروں نے انہیں مطلقاً قبول کیا ہے، ان اسباب کی وجہ سے جو پہلے گزر چکے، جیسے حسن، قتادہ، ابو اسحاق السبیعی، ابو الزبیر مکی، ابو سفیان طلحہ بن نافع اور عبد الملک بن عمیر۔ **(التدلیس والمدلسون: جلد ۲: صفحہ ۹۵، مطبع جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ)**

دوسری بات یہ ہے کہ آپ حضرت جابرؓ سے مکثر ہیں یعنی ان سے کثرت سے روایات لی ہیں۔ امام ذہبیؒ **(م ۷۴۸ھ)** فرماتے ہیں **وأكثر عن جابر**۔ **(میزان الاعتدال: جلد ۴: صفحہ ۳۷، رقم ۸۱۶۹)** اور امام ذہبیؒ ہی ایک اصول بیان فرماتے ہیں "إلا في شيوخ له أكثر عنهم - - - فإن روايته عن هذا الصنف محمولة على الاتصال" یعنی (اعمشؒ) مدلس راوی کا ایسے شیوخ سے عنعنہ، جن سے انہوں نے کثرت سے روایت لی ہے، ۔۔۔۔ اتصال پر محمول ہو گا۔

لہٰذا اصولی اعتبار سے یہی بات ابو الزبیر عن جابر میں بھی ہونا چاہیے، کہ جابرؓ ان کا عنعنہ اتصال پر محمول ہو۔

اور امام شعبہؒ نے آپ کو حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان قسم دے کر پوچھا کہ اللہ کی قسم کیا آپ نے یہ حدیثیں حضرت جابر سے سنی ہیں؟ تو انہوں نے کہا اللہ کی قسم میں نے یہ حدیثیں حضرت جابرؓ سے سنی ہے، یہ بات انہوں نے تین مرتبہ کہی۔[26] **(تہذیب تہذیب: جلد ۹: صفحہ ۴۴۳، رقم ۷۲۹، میزان الاعتدال: جلد ۱۰: صفحہ ۳۳۶، رقم ۴۲۸۹، اکمال تہذیب الکمال: ۱۰/۳۳۶، رقم ۴۲۸۹، مجمع البحرین فی زوائد المعجمین: ۶/۱۰۹، رقم ۳۴۵۸)**

خلاصہ:

---

[26] الفاظ یہ ہیں: استحلف شعبة أبا الزبير بين الركن والمقام إنك سمعت هذه الأحاديث من جابر فقال الله إني سمعتها من جابر يقول ثلاثا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث کی سند، بعض علماء جرح وتعدیل کے مطابق، قابل تحمل، اور دوسرے علماء کے نزدیک زیادہ سے زیادہ ضعیف ہے، سخت ضعیف ہرگز نہیں۔ اور حضرت علیؓ کی روایت، اس روایت سے مل کر قابل قبول ہو جاتی ہے۔

مشہور عرب عالم، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے سابق ممتاز طالب علم، کبار علماء عرب مثلاً صاحب اضواء البیان، شیخ شنقیطیؒ وغیرہ کے شاگرد اور بڑے بڑے علماء عرب مثلاً شیخ عائض القرنی، سعید بن مسفر کے استاد، علامہ عبد الرحیم الطحان، مذکورہ بالا دونوں حدیثوں کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

"لكن يتقوى الضعيفان ببعضهما ولا ينزل هذا الحديث عن درجة القبول إن شاء الله - عن نبينا عليه الصلاة والسلام قال: [القارئ القرآن إذا أحل حلاله وحرم حرامه أن يشفع في عشرة من أهل بيته كلهم قد وجبت له النار" لیکن دو ضعیف حدیثیں ایک دوسرے سے ملکر قوی ہو جاتی ہیں، اور یہ حدیث ان شاء اللہ قبولیت کے درجہ سے کم نہیں، کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قرآن کا قاری جب اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام مانے تو اس کے گھر والوں میں سے ایسے دس لوگوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول کیا جائے گی جن پر آگ واجب ہو چکی ہو گی۔ **(خطب ودروس شیخ عبد الرحیم: جلد۶ :صفحہ ۲۸۷)**

نوٹ:

امام خطیب بغدادیؒ نے، تین راویوں کے ترجمہ کے تحت، اسی حدیث کو سنداً حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے، تینوں جگہ تمام روات ثقہ ہیں، سوائے ان تینوں راویوں کے جس کے ترجمہ کے تحت یہ حدیث ذکر کی ہے، اور انہی کی وجہ سے اس حدیث کو منکر یا غیر ثابت کہا ہے، اور دوسرے ائمہ جرح وتعدیل امام ذہبیؒ، ابن حجرؒ نے بھی صرف خطیبؒ ہی کے حوالہ سے ان راویوں پر کلام کیا ہے، اور امام ابن الجوزیؒ اور امام محمد بن طاہر پٹنیؒ انہیں کے حوالہ سے ان روایتوں کو رد کیا ہے۔

اب یہ تینوں راوی ایک ہی ہیں، یا الگ الگ ہیں، یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ **(تاریخ بغداد: جلد۱۳: صفحہ ۳۳۴، رقم ۶۲۲۸، لسان المیزان: جلد۵: صفحہ ۵۲۵، رقم ۵۳۷۰، تاریخ بغداد: جلد۶: صفحہ ۱۱۵، رقم ۲۶۰۱، لسان المیزان: جلد۱: صفحہ ۶۰۱، تاریخ بغداد: جلد ۵: صفحہ ۱۲۸، رقم ۱۹۸۴، لسان المیزان: جلد۱: صفحہ ۴۳۱، رقم ۷۴۴، تذکرۃ الموضوعات: صفحہ ۷۷، علل متناھیہ: جلد۱: صفحہ ۱۰۷، رقم الحدیث ۱۵۴)**

فقط واللہ تبارک وتعالیٰ اعلم۔